

جاسوسی دنیا

5- فریدی اور لیونارڈ

6- پُراسرار کنواں

7- خطرناک بوڑھا

8- مصنوعی ناک



جاسوسی دنیا نمبر 7

خطرناک بوڑھا

(مکمل ناول)

بے معنی اچھل کود

میٹرو ہوٹل کی عظیم الشان عمارت روشنی میں نہائی ہوئی شہر کے سب سے زیادہ بارونتی حصے میں اس طرح کھڑی تھی جیسے کوئی دولت مند اپنی کوٹھی کے پھانک پر کھڑا ہو کر اپنے مہمانوں کا بے چینی سے انتظار کرتا ہے تاکہ انہیں جلد سے جلد اپنی شان امارت دکھا سکے۔

فٹ پاتھ پر بے شمار موٹریں کھڑی تھیں..... اس ہوٹل میں زیادہ تر دولت مند طبقے کے لوگ آتے ہیں۔ شام ہوتے ہی یہاں کاروں کی قطاریں نظر آنے لگتی ہیں۔

ہوٹل کے اندر کافی بھیڑ تھی، ہال میں قریب قریب ساری میزیں بھر چکی تھیں۔ آج یہاں ایک ایسی ہی رقصہ کا ناچ بھی تھا۔ اس لئے معمول سے زیادہ بھیڑ ہو گئی تھی۔ ناچ ابھی شروع نہیں ہوا تھا۔ اسٹیج پر پریشی پردہ لہریں لے رہا تھا اور قریب قریب سب کی نگاہیں ادھر ہی لگی ہوئی تھیں۔ دفعتاً ایک خوش پوش اور وجیہہ نوجوان ہال میں داخل ہوا۔ اس نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔ شاید وہ کسی کو ڈھونڈ رہا تھا۔ اسٹیج کے قریب لگی ہوئی ایک میز پر سے ایک لڑکی نے ہاتھ اٹھا کر اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ نوجوان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا اس میز کے قریب پہنچ گیا۔ وہ لڑکی اور اس میز پر بیٹھے ہوئے دوسرا شاید نوجوان کے استقبال کے لئے کھڑے ہو گئے تھے۔

لڑکی نے اپنے ساتھیوں سے نوجوان کا تعارف کرانا شروع کیا۔

”مسٹر شاہد جن کا ہم لوگ انتظار کر رہے تھے۔“ لڑکی مسکراتی ہوئی بولی۔ ”اور یہ میرے

چچا نصیر..... میرے بھائی ارشد.....!“

نوجوان دونوں سے ہاتھ ملا کر بیٹھ گیا۔

لڑکی نے بیرے کو بلا کر آرڈر دیا اور وہ لوگ گفتگو میں مشغول ہو گئے۔ لڑکی کی شخصیت اتنی دلکش تھی کہ قریب کی میزوں پر بیٹھے ہوئے لوگ اسے بری طرح گھور رہے تھے۔ اس نے بہت ہی چست قسم کا لباس پہن رکھا تھا جس سے اس کے جسم کی رعنائیاں پھوٹی پڑ رہی تھیں۔

”شاہد صاحب مجھے رقیہ سے معلوم ہوا ہے کہ آپ سیام کے قدیم باشندوں کے طرز معاشرت پر تحقیق کر رہے ہیں۔“ لڑکی کا چچا نصیر بولا۔

”جی ہاں کوشش کر رہا ہوں۔“ شاہد نے جواب دیا۔

”بات دراصل یہ ہے کہ مجھے بھی ایسے موضوعات سے خاصی دلچسپی ہے۔ خاص طور پر سیامی اور چینی لٹریچر کا بہت زیادہ دلدادہ ہوں۔“

”ادہ تب تو آپ سے مجھے بہت مدد ملے گی۔“ شاہد مسرت آمیز لہجے میں بولا۔

”میں نے خصوصاً آپ سے اسی لئے ملنا چاہا تھا کہ مجھے اپنے ہم مذاق لوگوں کی تلاش رہتی ہے۔ آپکو یہ سن کر تعجب ہو گا کہ میں نے محض پڑھنے کی خاطر اس ہوٹل میں ایک کمرہ لے رکھا ہے۔“

”بہت خوب.....!“ شاہد اسے تعریفی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

”واقعی سیام ایک بہت ہی پراسرار ملک ہے۔“ نصیر چائے کا گھونٹ لے کر کچھ سوچتا ہوا

بولا۔ ”اور وہاں کی قدیم تاریخ اتنی مشکوک ہے کہ کسی خاص راستے کا تعین کر کے چھان بین سے کوئی خاص نتیجہ اخذ کرنا بہت ہی مشکل کام ہے۔“

شاہد کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔

”بھلا آج آپ پہلے آدمی ملے ہیں جس نے سیامی تاریخ کے متعلق اتنی سچی بات کہی ہے۔“

نصیر مسکرانے لگا۔ اس مسکراہٹ میں احساس برتری، آسودگی بے پرواہی سبھی کچھ شامل تھا۔

”میں اپنی انتہائی خوش نصیبی سمجھوں گا اگر اس سلسلے میں میری رہنمائی کریں۔“ شاہد دوبارہ بولا۔

”شوق سے۔“ نصیر نے کہا۔ ”میں ہر وقت حاضر ہوں..... میں نے اپنی زندگی کا کافی

حصہ چین اور سیام میں گزاریا ہے۔“

”تب تو آپ میری بچی رہنمائی کر سکیں گے۔“

نصیر کچھ سوچنے لگا۔

”سیام کے جنگل بھی بڑے عجیب ہیں۔“ نصیر بولا۔

شاید توجہ کے ساتھ سننے لگا۔ لیکن نصیر پھر کچھ سوچنے لگا۔

اتنے میں اپنی رقاہ کا تاج شروع ہو گیا۔

نصیر نے برا سامنہ بنایا۔

”میرا خیال ہے کہ آپ کو بھی ان اغویات سے دلچسپی نہ ہوگی۔“ نصیر بولا۔

”جی نہیں.....!“ شاید نے جواب دیا۔

”تو آئیے چل کر کمرے میں گفتگو کریں گے۔“ نصیر نے اٹھتے ہوئے کہا۔

اسی کے ساتھ رقیہ کا بھائی بھی اٹھا..... شاید بھی اٹھ گیا۔

”آپ لوگ جائے میں تو تاج دیکھوں گی۔“ رقیہ بولی۔

شاید ہنسنے لگا۔

”دنیا کی ساری عورتیں کھیل تماشوں کی دلدادہ ہوتی ہیں۔“ نصیر فلسفیانہ انداز میں بولا۔

”تینوں زینے طے کرتے ہوئے تیسری منزل پر پہنچے۔ اس وقت قریب قریب سارے

کمرے مقفل تھے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ اپنی ایکٹریس کا رقص تھی۔

یہ لوگ تیسری منزل کے ایک کمرے میں جا کر بیٹھ گئے۔ یہاں ایک بڑی میز تھی جس پر

بہت سی کتابیں بے ترتیبی سے پھیلی ہوئی تھیں اور ایک طرف لمبا پلنگ بھی پڑا ہوا تھا۔ میز کے گرد

دو تین کرسیاں تھیں۔

”شاید رقیہ سے آپ کی ملاقات کو زیادہ عرصہ نہیں گذرا.....!“ نصیر نے کرسی پر بیٹھتے

ہوئے کہا۔

”جی نہیں.....!“ شاید نے جواب دیا۔

”لیکن وہ آپ کا تذکرہ اس انداز میں کرتی ہے، جیسے آپ دونوں برسوں کے ساتھی ہوں۔“

شاید نے شرمیلے انداز میں سر جھکا لیا۔

”شرمانے کی ضرورت نہیں، میں محبت کو بُرا نہیں سمجھتا۔ فلسفے نے مجھے بہت زبردست روشنی بخشی ہے۔ میں انسانیت کو خون کے رشتوں سے بالاتر سمجھتا ہوں۔ ارشد میرا بھتیجا ہے لیکن ہم دونوں اکثر ایک ساتھ بیٹھ کر شراب پیتے ہیں۔ اگر آپ بھی پیتے ہوں تو مجھے آپ سے بھی تکلف نہیں۔“

”میں عادی نہیں ہوں۔“ شاہد بولا۔ ”اکثر تفریحاً ہی لیتا ہوں۔“

”خیر بھی ارشد ذرا آگاس وغیرہ نکال لیتا.....“ نصیر نے کہا۔

ارشد نے الماری سے تین گلاس نکال کر میز پر رکھ دیئے اور بوتل نکال آیا۔
 ”اوہ اس میں تو بہت تھوڑی سی رہ گئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ شاید ایک ہی آدمی کیلئے کافی ہو۔“ نصیر بولا۔ ”شاید صاحب یہ بہترین قسم کی پر تگالی شراب ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ زیادہ نہیں۔“
 نصیر نے ساری شراب شاہد کے آگے رکھے ہوئے گلاس میں انڈیل دی۔
 ”ہم لوگ فی الحال وہ سکی ہی پر قناعت کر لیں گے۔“ ارشد بولا۔

”جی نہیں..... لیجئے..... لیجئے۔“ شاہد نے گلاس آگے بڑھادیا۔

”یہاں تکلف کی ضرورت نہیں۔“ نصیر نے گلاس پھر شاہد کی طرف کھسکا دیا۔

ارشاد نے الماری سے وہائٹ ہارس کی بوتل نکالی اور خالی گلاسوں میں تھوڑی تھوڑی ڈال کر سو ڈالنے لگا۔ تینوں نے گلاس ہاتھوں میں لے کر ایک دوسرے سے نکرائے اور ہلکی ہلکی چسکیاں لے کر انہیں پھر میز پر رکھ دیا۔

”بات یہ ہے شاید صاحب۔“ نصیر ہوا۔ ”مجھے ایک زمانے میں سیامی ناچوں سے بڑی دلچسپی رہی ہے۔“

”اچھا.....!“ شاید تعجب نہ انداز میں بولا۔

”ہاں..... اور اس سلسلے میں اچھی خاصی ریسرچ کر ڈالی تھی۔“

”خوب.....!“ شاید پر آہستہ آہستہ پر نگال کی سالہا سال پرانی شراب کا اثر ہو تاجا رہا تھا۔

”سگریٹ.....!“ نصیر نے شاید کی طرف سگریٹ کیس بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”میں سیام

کے سارے تاج بہت اچھی طرح تاج سکتا ہوں۔“

”میں نے ایک قلم میں سیام کے تاج دیکھے تھے۔“ شاید بولا۔

”کہتے آپ کو شراب پسند آئی۔“ ارشد نے کہا۔

”بہت..... خدا کی قسم میں نے اتنی نفیس شراب پہلے کبھی نہیں پی۔“

شاید جھومتا ہوا بولا۔ اس نے سگریٹ کیس سے ایک سگریٹ لے کر سلگایا اور گہرے گہرے کش لینے لگا۔

تینوں نے گلاس خالی کر دیئے۔ شاید کاسر بھاری ہوا جا رہا تھا۔ اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس کاسر نہیں بلکہ ایک بوجھ ہے جو بے ڈھنگے پن کے ساتھ اس کے کاندھے پر رکھ دیا گیا ہو اور ذرا سی جنبش میں اس کا لڑھک جانا یقینی ہے۔ اس نے اپنا سر میز پر اوندھا لیا۔

”شاید صاحب.....!“ نصیر نے اس کاسر اٹھاتے ہوئے کہا۔ ”دیکھئے میں آپ کو سیام کا ایک بہاریہ رقص دکھانے جا رہا ہوں۔“

”دکھا..... یئے.....!“ شاید رک رک کر بولا۔

اچانک نصیر نے اٹھ کر ایک بے ہنگم قسم کی اچھل کود شروع کر دی۔ ساتھ ہی ساتھ وہ کسی غیر ملکی زبان کے الفاظ بھی دہراتا جا رہا تھا۔ اس نے ارشد کو اشارہ کیا وہ بھی اس کے ساتھ اچھلنے کودنے لگا۔

”آپ بھی ناچنے شاید صاحب..... یہ سیام کا بہت ہی متبرک ناچ ہے۔“ نصیر نے بدستور اچھلتے کودتے ہوئے کہا۔

شاید لڑکھڑاتا ہوا اٹھا اور وہ بھی انہیں کی طرح اچھلنے کی کوشش کرنے لگا۔ تینوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑے اور ایک دائرے کی شکل میں اچھل اچھل کر ناچنے لگے۔ شاید کے قدم ست تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ تھک کر گر پڑا۔ اس کے منہ سے جھاگ بہہ رہا تھا۔

”ارے بس اتنے ہی میں بول گئے۔“ ارشد ہنستا ہوا بولا۔ ”بڑے نامرد ہو۔“

”میں..... نامرد..... تم خود نامرد۔“ شاید اٹھتا ہوا بولا۔

وہ تینوں پھر ناچنے لگے۔ تھوڑی دیر تک اس اچھل کود کا سلسلہ جاری رہا۔ پھر دفعتاً شاید ایک بڑی سی تے ہوئی اور وہ وہیں فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

”ختم ہو گیا۔“ نصیر نے ارشد سے کہا۔ دونوں کرسیوں پر بیٹھ کر ہانپنے لگے۔

”تم لوگ نیچے چلے جاؤ۔“ برابر کے کمرے سے ایک بھاری بھر کم آواز آئی۔

دونوں اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور اس دروازے کی طرف منہ کر کے قدرے جھکے جو دوسرے کمرے میں کھلتا تھا۔

دونوں اس طرح جھکے کھڑے تھے جیسے وہ کسی کی پیشوائی کر رہے ہوں۔

”اپنی رقا صہ سے ملنا جو کچھ وہ دے اُسے نمبر سات کو دینا..... بس جاؤ۔“ وہی آواز پھر سنائی دی۔ دونوں کمرے سے باہر نکل گئے۔

دوسرے کمرے کا دروازہ کھلا..... اور ایک اور قد آور آدمی جس نے اپنا چہرہ ایک سیاہ رنگ کے نقاب میں چھپا رکھا تھا کمرے میں داخل ہوا۔

اس نے شاہد کے جسم کو دو تین بار ہلایا۔ وہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ ٹہلتا رہا۔ پھر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ چند لمحوں بعد وہ ایک رسی لئے ہوئے آیا اور شاہد کے ہاتھ پیر سمیٹ کر باندھے اور اس کی لاش کو ایک ہاتھ میں لٹکا کر اس کمرے میں لئے چلا گیا۔

پھانک پر لاش

صبح کا دھند لکا پھیل چکا تھا۔ سردی کی شدت کی وجہ سے لوگ ابھی تک لمافوں میں منہ چھپائے پڑے تھے۔ فریدی کسی کیس کی تیاری کے سلسلہ میں رات بھر جاگتا رہا تھا۔ تقریباً چار بجے اس کی آنکھ لگ گئی۔ ابھی تھوڑی ہی دیر سویا ہو گا کہ حمید نے آکر جگا دیا۔

”یا دشت.....!“ فریدی نے ہڑبڑا کر اٹھتے ہوئے کہا۔ ”آخر جنگلی پن کی کوئی حد بھی ہے..... اسی طرح جگاتے ہیں۔“

”اس وقت لکھنوی تکلفات کا موقع نہیں تھا۔“ حمید نے ہانپتے ہوئے کہا۔ ”ذرا جلدی کیجئے ایک نئی مصیبت نازل ہوئی ہے۔“

”آخر کچھ کہو بھی تو۔“ فریدی نے آستائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”پھانک پر لاش.....!“

”کیا مطلب.....؟“

”مطلب یہ کہ ہمارے پھانک پر ایک لاش پڑی ہوئی ہے۔“

”پھانک پر.....!“ فریدی نے جلدی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

”ارے.....!“ فریدی برآمدے میں پہنچ کر ٹھک گیا۔ پھر تیزی سے چلتا ہوا پھانک پر

آیا۔ لاش پھانک سے ملی ہوئی باہر کی طرف پڑی تھی۔ فریدی نے جلدی سے پھانک کو کھولا۔ یہ

ایک نوجوان کی لاش تھی۔ اس نے نیلی سرج کا نہایت نفیس قسم کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ فریدی لاش

پر جھک گیا۔ اس نے اُسے ہلاتا چاہا۔

”معلوم نہیں موت کو کتنی دیر ہوئی، جسم اکڑ گیا ہے۔“ فریدی حمید کی طرف مخاطب ہو کر

بولا۔ ”کوئی زخم نہیں موت کس طرح واقع ہوئی۔ ذرا جلدی سے میرا محب شیشہ تولے آؤ۔“

حمید دوڑتا ہوا چلا گیا۔

فریدی بہت انہماک کے ساتھ لاش کا جائزہ لے رہا تھا۔ حمید شیشہ لے کر آگیا۔ تقریباً

پندرہ بیس منٹ کے بعد فریدی نے سر اٹھایا۔

”بظاہر کوئی مشکوک بات دکھائی نہیں دیتی۔ یہ کوئی مفلوک الحال آدمی بھی نہیں معلوم

ہوتا جس سے یہ خیال پیدا ہو کہ سردی سے اکڑ کر مر گیا۔“

”میرا خیال ہے کہ اُسے کوئی دیدہ و دانستہ ڈال گیا ہے۔“ حمید نے کہا۔

”تمہارا خیال صحیح ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”جاؤ جا کر کو توالی میں فون کر دو۔“

حمید پھر اندر چلا گیا اور فریدی لاش کے قریب کھڑا رہا۔

ہلکی ہلکی دھوپ نکل آئی تھی اور اب سڑک پر آمدورفت بھی شروع ہو گئی تھی۔ لوگوں

نے بھیڑ لگانی چاہی لیکن فریدی نے انہیں سختی سے منع کر دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد پولیس کی لاری آگئی۔ کو توال شہر اور دو ایک سب انسپکٹر چند کانشیلوں

کے ہمراہ اس پر سے اترے۔

فریدی نے کو توال سے سب کچھ کہہ سنایا۔

”بڑی حیرت کی بات ہے..... آخر اسے یہاں ڈال جانے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔“

کو توال نے کہا۔

”مجھے یقین کامل ہے کہ یہ یہاں نہیں مرا۔“ فریدی نے کہا۔

”یہ توصاف ظاہر ہے۔“ ایک سب انسپکٹر بولا۔

”بڑی مصیبت کا سامنا ہے، آئے دن ایک نہ ایک آفت.....!“ کو تو ال پریشانی کے لہجے

میں بولا۔ ”ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہمارا شہر بحرِ مومن کی زیارت گاہ بن گیا ہے۔“

”میرے خیال سے اب آپ اُسے اٹھوالے جائیے۔ پوسٹ مارٹم کرانے کی کوشش جلدی

کیجئے گا۔“ فریدی نے کہا۔ ”مجھے تو یہ اپنے لئے ایک قسم کا چیلنج معلوم ہوتا ہے۔“

”خدا ہی بہتر جانے.....!“ کو تو ال نے ناخوشگوار لہجے میں کہا اور اش اٹھوا کر لاری پر

رکھوانے لگا۔

وہاں سے فرصت پا کر فریدی اور حمید اندر آئے۔

”پہلے زندہ فریادی آپ کے پاس آیا کرتے تھے اب مردوں نے بھی راستہ دیکھ لیا۔ خدا خیر

کرے۔“ حمید نے کہا۔

”مجھے تو یہ معاملہ بہت میزِ ہانظر آرہا ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”چاہے میزِ ہا ہو چاہے سیدھا..... بے اطمینانی تو اپنی اقتدر میں لکھ دی گئی ہے۔“ حمید بولا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی الجھن میں

جتا ہے۔

ناشتہ آیا۔ وہ خاموش بیٹھا رہا۔ حمید نے کئی بار اسے مخاطب کرنے کی کوشش کی لیکن وہ

متوجہ نہیں ہوا۔ بالکل ایسا معلوم ہوا تھا جیسے کسی نے عملِ توہم کے ذریعہ اسے بے حس کر دیا ہو۔

حمید اس کی عادتوں سے بخوبی واقف تھا اس لئے اس نے چھینر نامناسب نہ سمجھا۔

تقریباً تین بجے شام کو نوکر نے آکر اطلاع دی کہ انسپکٹر جگدیش آیا ہے۔

فریدی نے اسے فوراً ہی بلوالیا۔ اس سے قبل وہ کئی ملنے والوں کو علالت کا بہانہ کر کے ٹال

چکا تھا۔

”کہو جگدیش کیسے آئے۔“ فریدی نے اٹھ کر ٹہلتے ہوئے پوچھا۔

”ارے صاحب کیا بتاؤں..... اس اش کے متعلق تحقیقات میرے ہی سپرد کی گئی ہے۔“

”ہوں.....!“

”پوسٹ مارٹم کے ذریعہ پتہ چلا ہے کہ مرنے والا مرگی کا مریض تھا اور مرگی کے دورے ہی کی حالت میں اچانک اس کے قلب کی حرکت بند ہو گئی۔“

”ہوں.....!“

”تب تو ساری الجھنیں رفع ہو جاتی ہے۔“ حمید بولا۔ ”وہ رات میں کسی وقت گذرا.....“

”ایک ایک یہاں پہنچ کر مرگی کا دورہ پڑا اور گر پڑا اور پھر اسکے قلب کی حرکت بند ہو گئی۔ اللہ اللہ خیر سلا۔“

”شاباش.....!“ فریدی طنزیہ انداز میں بولا۔ ”میرا دماغ تو اس طرف پہنچای نہیں تھا۔“

واقعی تم ایک بڑے کار آمد آدمی ہو۔“

حمید اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”ہاں تو پھر تفتیش کیسی؟“ فریدی جگدیش کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔

”یہی کہ وہ کون تھا..... کہاں رہتا تھا..... نام..... پتہ نشان وغیرہ وغیرہ۔ اس کے پاس سے کوئی ایسی چیز نہیں مل سکی جس کی بناء پر اس سے کچھ معلوم ہو سکتا۔“

”تو یہ کونسی بڑی بات ہے۔ شام کے اخبار میں اس کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور چھپے گا جسے دیکھ کر اس کا کوئی نہ کوئی وارث، دوست یا جان پہچان والا کو توالی ضرور پہنچے گا۔“ فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

”جی ہاں..... دیکھئے..... اگر کوئی پردیسی نہ ہو تو.....!“ جگدیش نے کہا۔

”یہ بھی ٹھیک ہے۔“ فریدی نے آرام کر سی پر نیم دراز ہوتے ہوئے کہا۔ وہ سگار کے ہلکے ہلکے کش لے کر فضاء میں دھوئیں کے چلیلے لہریے بکھیر رہا تھا۔

”واقعی یہ مرض بڑا خطرناک ہے۔“ جگدیش نے کہا۔

”کون سا مرض.....!“ فریدی نے چونک کر کہا۔

”یہی مرگی۔“

”تو کیا تم واقعی اسے مرگی ہی کا کیس سمجھتے ہو۔“

”میں کیا..... ڈاکٹروں کی یہی رائے ہے۔“

”ہو سکتا ہے۔“ فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس کے کوٹ میں سے درزی کا لیبل کیوں نوچا گیا ہے۔“

”لیجئے..... جگدیش صاحب الجھ گیا معاملہ۔“ حمید نے کہا۔

”واقعی یہ بات قابل غور ہے۔“ جگدیش بولا۔

”کیا یہ ممکن نہیں کہ خود مرنے والے نے اسے کسی وجہ سے نکال دیا ہو۔“ حمید نے کہا۔
فریدی نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر بجھا ہوا سگار سلگانے لگا..... تھوڑی دیر

خاموش رہ کر وہ پھر بولا۔

”پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں کچھ اور بھی ہے۔“

”اور تو کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی۔“ جگدیش کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”اوہ ٹھیک یاد آیا..... ڈاکٹر کی رائے ہے کہ مرنے سے قبل شاید اسے تے بھی ہوئی تھی۔“

”تے.....!“ فریدی چونک کر بولا۔

وہ کچھ بے چین سا نظر آنے لگا۔

”مرگی..... تے..... ہارٹ فیل.....!“ وہ بڑبڑاتا ہوا اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

اس کے منہ سے کسی غیر ملکی زبان کے الفاظ نکل رہے تھے، جو کم از کم حمید اور جگدیش کے لئے نئے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ دفعتاً وہ مڑا اور کمرے سے نکل کر لابی میں چلا گیا۔

حمید اور جگدیش حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

دونوں کافی دیر تک بیٹھے اسی مسئلہ پر گفتگو کرتے رہے۔ دفعتاً انہیں فریدی کا قہقہہ سنائی دیا۔ دونوں چونک پڑے۔ چند لمحوں بعد فریدی مسکراتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

”کوئی نئی بات۔“ حمید نے پوچھا۔

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر آنکھیں بند کر کے آرام کر سی پر لیٹ گیا۔



دوسری لاش

اش کے متعلق کسی کو کچھ بھی نہ معلوم ہو سکا اور آخر کار وہ سپرد خاک کر دی گئی۔ ڈاکٹروں کی رائے کے آگے بھلا فریدی کی کیا چلتی۔ اس نے بھی یہ ضروری نہ سمجھا کہ حکام کو اپنے شکوک سے آگاہ کرے۔ کیونکہ قریب قریب سب کو اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ اس کی موت معمولی حالات میں واقع ہوئی تھی۔ پولیس والوں نے بھی سوچا کہ چلو ایک جھنجھٹ سے نجات ملی۔ اگر کہیں زہر خورانی یا قتل وغیرہ کا کیس ثابت ہو تا تو خواہ مخواہ مصیبت میں مبتلا ہونا پڑتا۔ لیکن ان کا یہ سکون زیادہ وقفے تک برقرار نہ رہ سکا۔ تیسرے دن پھر ایک لاش فریدی کے پھانک پر پائی گئی اور پولیس والوں کو الجھن میں مبتلا ہونا پڑا۔ یہ لاش بھی ایک نوجوان ہی کی تھی۔

”لیجئے جناب..... اس پر بھی مرگی کا دورہ میرے ہی پھانک پر پڑا۔“ فریدی ڈی ایس پی سے کہہ رہا تھا۔

”واقعی یہ بڑی حیرت کی بات ہے۔“ ڈی۔ ایس۔ پی بولا۔

”لیکن یہ ابھی کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ اس پر بھی مرگی کا دورہ ہی پڑا۔“ ایک سب انسپکٹر نے کہا۔

”نہ گھوڑا دور نہ میدان، اس کے متعلق بھی ڈاکٹروں کی رپورٹ دکھ لیجئے گا۔ میرا دعویٰ ہے کہ اس کی موت بھی انہیں حالات میں ہوئی ہے، جن میں پہلے ہوئی تھی۔“ فریدی نے کہا۔

پولیس والے طنزیہ انداز میں مسکرانے لگے۔

”خیر صاحب دیکھا جائے گا۔“ ڈی۔ ایس۔ پی نے کار اشارت کرتے ہوئے کہا۔

فریدی اور حمید لوٹ آئے۔

”معلوم ہوتا ہے کہ آپ مجھے بھی چھین نہ لینے دیں گے۔“ حمید نے میز پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”اچھا..... اچھا..... نیچے کر سی پر تشریف رکھئے۔ پتہ نہیں تمہیں کب سلیقہ آئے گا۔“

فریدی نے کہا۔

حمید میز سے اتر کر کر سی پر بیٹھ گیا۔

”ہاں تو فرمائیے میں آپ کو کیوں چین نہ لینے دوں گا۔“ فریدی نے پوچھا۔
 ”آخر خواہ مخواہ ان لوگوں کو شبہات میں مبتلا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔“ حمید نے کہا۔
 ”شبہ کیوں..... یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ان دونوں کی موتیں غیر معمولی حالات میں ہوئی ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”صرف آپ کے نزدیک! ورنہ وہ لوگ تو اسے قتل سمجھنے کے لئے تیار ہی نہیں۔ اب انہیں بھی خواہ مخواہ اس معاملے میں ہوشیار ہونا پڑے گا اور آئی گئی اپنے سر جائے گی۔“
 ”لیکن میں خود اس کیس میں دلچسپی لے رہا ہوں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔
 ”آپ کی دلچسپی..... آپ تو ہر معاملے میں کود پڑتے ہیں۔“
 ”اچھا..... اچھا..... بے کار باتیں نہیں۔“ فریدی نے اکتا کر کہا۔
 ”اچھا صاحب میں اب کچھ نہیں کہوں گا۔ آپ کی قسمت ہی میں درد کی ٹھوکریں لکھی ہوئی ہیں۔“

”اس وقت تو تم کسی شوہر پرست اور چڑچڑی قسم کی بیوی کی طرح باتیں کر رہے ہو۔“
 فریدی نے کہا۔

”زبان پہ بارِ خدا یا یہ کس کا نام آیا.....!“ حمید نے گنگنا کر کہا۔
 ”ہونٹ چاٹو..... ہونٹ پر خوردار.....! حق کہیں کے۔“ فریدی نے بُرا سامنہ بنایا۔
 ”غزالہ آپ کے لئے ایک اچھی بیوی ثابت ہو سکے گی۔“ حمید نے گفتگو کا موضوع بدلنے کی کوشش کی، لیکن فریدی سنی ان سنی کر کے بولا۔

”ہاں تو دیکھو تم بڑے ہسپتال چلے جاؤ اور جیسے ہی ڈاکٹر کی رپورٹ تیار ہو جائے اس کے متعلق پتہ لگا کر سیدھے آفس چلے آنا۔“ حمید ہنسنے لگا۔
 ”اس میں ہنسی کی کیا بات۔“ فریدی اسے گھور کر بولا۔

”کچھ بھی نہیں، بہر حال آپ غزالہ کا تذکرہ میری زبان سے نہیں سننا چاہتے۔“
 ”نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔“
 ”بند بہت حسین ہے۔“

”ہو گی۔“

”میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ.....!“

”لیکن میں آپ کا سچ نہیں سننا چاہتا۔“ فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ ”آپ براہ کرم ناشتہ کر کے سیدھے ہسپتال چلے جائیے..... میرے پاس فضول باتوں کے لئے وقت نہیں۔“

حمید ناشتہ کر کے ہسپتال چلا گیا اور فریدی لائبریری میں بیٹھ کر ایک کتاب الٹے پلٹے لگا۔ تقریباً ایک گھنٹے تک وہ مطالعہ کرتا رہا۔ وہ ایک کے بعد دوسری کتاب اٹھا تا اور پڑھ کر رکھ دیتا۔

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ایک ہی موضوع پر متعدد کتابیں دیکھ رہا ہو۔ اس کے چہرے پر بے اطمینانی پھیلی ہوئی تھی۔ دفعۃً وہ پڑھتے پڑھتے اچھل پڑا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب قسم کی وحشتانہ چمک پیدا ہو گئی اور چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے ایک گار سلگایا اور ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔

دس بج رہے تھے، اس نے لائبریری سے ڈرائنگ روم میں جا کر کچھ کھانا کھایا اور آفس چلا گیا۔ وہ بے چینی سے حمید کا انتظار کر رہا تھا۔ تقریباً تین بجے حمید واپس آیا۔

”کہو بھی کیا خبر لائے۔“ فریدی نے بے چینی سے پوچھا۔

”آپ کا خیال قطعی درست ثابت ہوا۔ دوسری لاش کے متعلق بھی حرف بحرف وہی رپورٹ ہے جو پہلی لاش کے متعلق تھی۔“ حمید نے کہا۔

”ہوں.....!“ فریدی نے آہستہ سے کہا اور سگار ہونٹوں میں دبا کر سامنے رکھے ہوئے فائل پر نگاہیں جمادیں۔

”اس رپورٹ سے پولیس والوں میں کافی ہیجان پھیل گیا ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ معاملہ جلد ہی ہم لوگوں کے ہاتھوں تک پہنچ جائے گا۔“

”ہوں.....!“

فریدی اٹھ کر برآمدے میں چلا گیا۔ ابھی اسے یہاں آئے ہوئے چند ہی منٹ گزرے تھے کہ چیر اسی نے آکر جیکسن صاحب کا سلام دیا۔

فریدی آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا جیکسن کے کمرے کی طرف بڑھا۔ ”آئیے..... آئیے.....“

مسٹر فریدی۔ ”جیکسن نے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فریدی سے کہا۔ فریدی بیٹھ گیا۔

”میں نے سنا ہے کہ آج پھر آپ کے پھانک پر کوئی لاش پائی گئی ہے۔“

”جی ہاں اور پوسٹ مارٹم کے بعد ڈاکٹروں نے بالکل وہی رپورٹ دی ہے، جو پہلی لاش کے

متعلق تھی۔“

”ارے.....!“ جیکسن چونک کر بولا۔

”جی ہاں.....!“

”بڑی عجیب بات ہے۔“ جیکسن کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”دونوں لاشیں آپ ہی کے پھانک پر پائی گئیں اور دونوں کے متعلق ایک ہی رپورٹ..... بڑا پیچیدہ معاملہ ہے۔“

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ جیکسن تھوڑی دیر ٹھہر کر بولا۔ ”کہئے کوئی کلیو۔“

”فی الحال کوئی نہیں..... کوئی ایسی چیز ہی نہیں مل سکی جس کی بناء پر کوئی خاص رائے قائم کی جاتی۔“ فریدی بولا۔

”میرا خیال ہے کہ یہ سول پولیس کے بس کا کیس نہیں۔“ جیکسن بولا۔

”دیکھئے..... کیا ہوتا ہے۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔

”ہو گا کیا..... ہمارے ہی سر مصیبت آئے گی۔“ جیکسن نے کہا۔ ”لیکن میں نے جمع کا

صیغہ غلط استعمال کیا ہے۔ تنہا آپ کے سر مصیبت آنے والی ہے۔“

”اور میں اس قسم کی مصیبتوں کی تلاش میں رہتا ہوں۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”واقعی آپ ہی کا کام ہے۔“

فریدی خاموش رہا۔

”اگر آپ کو کوئی ضروری کام ہو۔“

”جی ہاں.....!“ فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

وہ پھر اپنے کمرے میں آکر بیٹھ گیا۔

”کہئے کیا پولیس نے کاغذات یہاں بھیج دیئے۔“ حمید نے فریدی سے پوچھا۔

”ابھی نہیں۔“ فریدی نے کہا اور کاغذات الٹنے پلٹنے لگا۔

”اگر واقعی یہ کیس ہمارے سپرد کر دیا گیا تو پریشانی ہوگی۔“ حمید بولا۔

”ظاہر ہے۔“

حمید نے فریدی کے مختصر جوابات سے اندازہ لگا لیا کہ وہ اس وقت باتیں نہیں کرنا چاہتا۔

اس لئے وہ وہاں سے ہٹ گیا۔

ایک اجنبی

سول پولیس کے تھک ہار جانے کے بعد یہ معاملہ منگہ سراغ رسانی کے سپرد کر دیا گیا۔ کیس پیچیدہ تھا اس لئے حکام نے اس کیلئے فریدی کو منتخب کیا۔ اگر کیس کسی دوسرے کو دیا بھی جاتا تو فریدی کو شش کر کے اس کا چارج خود لیتا کیونکہ وہ اسے اپنے لئے ایک قسم کا چیلنج سمجھ رہا تھا۔

فریدی اس کیس کا انچارج بن تو گیا تھا لیکن ابھی تک وہ کسی راستے کا تعین نہیں کر سکا تھا۔ اس بار اسے بالکل اندھیرے میں تیر پھینکنا پڑا تھا۔ ابھی تک کوئی ایسی چیز نہ مل سکی جس کے سہارے وہ مجرم تک پہنچ سکتا۔ اس کی عادت تھی کہ وہ ایسے مواقع پر یونہی بے مقصد شہر کے چکر لگایا کرتا تھا۔ آج بھی وہ دستور کے مطابق شہر کی گلیاں اور سڑکیں تاپ رہا تھا۔ اچانک وہ ایک چھوٹے سے خوبصورت کیفے کے سامنے رک گیا۔ اندر اسے ایک جانی پہچانی شکل نظر آئی وہ سوچنے لگا کہ اس نے اسے کب اور کہاں دیکھا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک فٹ پاتھ پر کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر کیفے میں داخل ہو گیا۔ وہ شخص جسے دیکھ کر وہ رکا تھا ایک خالی میز پر بیٹھا اخبار دیکھ رہا تھا۔ یہ ایک ادھیڑ عمر کا فیشن ایبل آدمی تھا۔ اس نے کتھنی رنگ کے سرچ کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ آنکھوں پر رومی طرز کا بھاری بھر کم فریم والا چشمہ تھا اور انگلیوں میں نہایت سبک اور عمدہ قسم کی انگلیٹھیاں تھیں۔ سرخ و سپید چہرے پر بھورے رنگ کی گھٹی ڈاڑھی اس کی وجاہت میں اضافہ کر رہی تھی۔

”اگر کوئی حرج نہ ہو تو میں یہاں بیٹھ جاؤں۔“ فریدی نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔

”جی.....!“ اس نے سر اٹھا کر فریدی کو حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ یہاں کئی میزیں بالکل خالی ہیں۔“

اس کی آواز سن کر فریدی کے ماتھے کی شکنیں ابھر آئیں، لیکن پھر فوراً ہی چہرے پر مسکراہٹ کی لہریں پھیلتی نظر آئیں۔

”نہیں یار شکر میں تو یہیں بیٹھوں گا“ فریدی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ وہ فریدی کا ہاتھ بھٹک کر کھڑا ہو گیا۔

”گھبراؤ نہیں..... میں تمہیں گرفتار کرنے نہیں آیا۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ”خاموشی

سے بیٹھ جاؤ، ورنہ اس طرح اچھل کود دوسروں کو مشکوک کر رہی ہے، وہ دیکھو لوگ ہمیں گھورنے لگے۔“

اس آدمی نے حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ اپنا رویہ یکسر بدل دیا اب وہ نہایت گرم جوشی کے ساتھ ہاتھ ملارہا تھا۔ دونوں ہنستے ہوئے بیٹھ گئے۔ فریدی نے بیرے کو بلا کر آرزو دیا۔
 ”کہو..... کلکتے سے کب آئے۔“ فریدی نے پوچھا۔
 ”کئی دن ہوئے۔“ اجنبی نے جواب دیا۔

”مجھے چائنا بینک کے ڈاکے کا حال معلوم ہے۔“ فریدی نے کہا۔
 ”لیکن تم مطمئن رہو معمولی قسم کی چوروں یا ڈاکوؤں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔“
 اجنبی خاموش بیٹھا ستارہا۔

”کیا تم اسی وجہ سے وہاں سے چلے آئے ہو۔“ فریدی نے پوچھا۔
 ”ہرگز نہیں..... وہاں کسی میں اتنی ہمت نہیں کہ مجھ پر ہاتھ اٹھا سکے۔“ اجنبی جوش میں بولا۔
 ”آدمی دلیر ہو..... یہ تو میں مانتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔
 اتنے میں بیرا طلب کی ہوئی چیز لے کر آگیا۔

”لو بھئی چائے پیو.....!“ فریدی نے اس کے کپ میں چائے اٹھیلے ہوئے کہا۔
 ”شکریہ.....!“ اجنبی مسکرا کر بولا۔ ”لیکن اس عنایت کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔“
 ”سنو یار! میں بھی آدمی ہوں..... مجھ پر ہر وقت سراغ رسانی کا بھوت نہیں سوار رہتا اور پھر تم ویسے ہی مجھے جانتے ہو کہ میں کتنا سوشل آدمی ہوں۔“
 ”بہت اچھی طرح.....!“ اجنبی طنزیہ انداز میں بولا۔
 ”تمہارے لہجے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک تمہاری بدگمانی دور نہیں ہوئی۔“ فریدی نے کہا۔

”یہ حقیقت ہے.....!“ اجنبی نے کہا اور چائے پینے لگا۔
 ”پیٹری.....!“ فریدی نے پیٹری کی پلیٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”تم غلط فہمی میں مبتلا ہو۔“
 ”ہو سکتا ہے۔“

”دیکھو شکر اس حقیقت سے تمہیں انکار نہ ہونا چاہئے کہ اس وقت تم میرے قبضہ میں ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ باہر کافی تعداد میں پولیس کے جوان موجود ہوں۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔
اجنبی سنبل کر بیٹھ گیا۔

”لیکن ایسی کوئی بات نہیں۔“ فریدی ہنسنے لگا۔

”آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔“ اجنبی الجھ کر بولا۔

”کچھ بھی نہیں..... صرف دوستانہ بات چیت..... یہ تو سوچو کہ ہم تقریباً پانچ سال بعد ملے ہیں۔“

”اور جیسے آپ نے یہ پانچ سال کا عرصہ میرے لئے تڑپ تڑپ کر گزارا.....!“ اجنبی ہنس کر بولا۔

فریدی بھی ہنسنے لگا۔

”بس تمہاری گفتگو کا ہی انداز مجھے پسند ہے۔“ فریدی نے ہنستے ہوئے کہا۔

”شکریہ۔“ اجنبی نے مسکرا کر کہا۔ ”میں آپ کی ان چٹنی چٹری باتوں کو اچھی طرح سمجھتا ہوں، لیکن میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ میرا ان لاشوں سے قطعی کوئی تعلق نہیں، جو آپ کے پھانک پر پائی گئی تھیں۔“

”بند آتم بڑے ذہین ہو..... اچھا تمہارا ان لاشوں کے متعلق کیا خیال ہے۔“

”وہی جو آپ کا ہے۔“

”یعنی.....!“

”اس معاملے میں کسی بہت ہی گہرے قسم کے بزرگوار کا ہاتھ ہے۔“ اجنبی بولا۔

”بہت اچھے۔“ فریدی نے اس کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے کہا۔ ”وہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ بتاؤ کہ تم

یہاں بھیس بدلے ہوئے کیوں گھوم رہے ہو اور یہاں آنے کا مقصد۔“

”آپ جانتے ہی ہیں کہ میں یہاں سے کیوں بھاگا تھا۔ ایسی صورت میں بھیس بدلے بغیر

میں یہاں کیسے آسکتا تھا۔“

”مگر اس لڑکی کا کیا ہوا جسے تم لے بھاگے تھے۔“ فریدی نے کہا۔

”دیکھئے آپ پھر غلط قسم کے سوالات کر رہے ہیں۔“ اجنبی جلدی سے بولا۔ ”میں اسے

نہیں لے بھاگا تھا بلکہ وہ خود مجھے بھگالے گئی تھی۔“

”چلو یہی سہی۔“ فریدی نے کہا۔ ”غالبا وہ تمہارے ہی ساتھ ہوگی۔“

”نہیں.....!“ اجنبی نے مسکرا کر کہا۔ ”کلکتے سے وہ ایک دوسرے آدمی کو بھگالے گئی۔“

دراصل اس نے وقتی طور پر اپنے بوڑھے اور دولت مند شوہر سے پیچھا چھڑانے کے لئے مجھے آلہ کار بنایا تھا۔“

”بہر حال بیچارے رائے بہادر مفت میں مارے گئے۔“

”ذرا آہستہ بولے۔“ اجنبی نے آہستہ سے کہا۔

”اودہ معاف کرنا۔“ فریدی نے کہا۔ ”ہاں تم نے اپنے یہاں آنے کی وجہ نہیں بتائی۔“

”کیا کیجئے گا سن کر..... آپ کو ہنسی آئے گی۔“

”اچھا.....!“ فریدی نے حجبانہ لہجے میں کہا۔ ”بھلا ہنسی کیوں آئے گی۔“

”بات ہی ایسی ہے۔“

”پھر بھی.....!“

”آپ نے سنا ہو گا کہ آج کل میٹرہ میں ایک اسپینی رقصہ آئی ہوئی ہے۔“ اجنبی نے

قدرے ہنکچاتے ہوئے کہا۔

”ہاں سنا تو ہے..... پھر.....!“ فریدی اس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھتا ہوا بولا۔

”میں کلکتے سے اس کا پیچھا کرتا ہوا آ رہا ہوں۔“ اجنبی نے کہا۔

”کیا بہت زیادہ مالدار ہے۔“ فریدی نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

”آپ پھر غلط سمجھے۔“ اجنبی جلدی سے بولا۔ ”میں دراصل.....!“

”اودہ سمجھا.....!“ فریدی ہنس کر بولا۔ ”شاید اس پر عاشق ہو گئے ہو۔“

”چلے یہی سمجھ لیجئے۔“ اجنبی بھی ہنسنے لگا۔

تھوڑی دیر کے لئے دونوں خاموش ہو گئے۔ پھر اچانک اجنبی بولا۔

”میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ آخر آپ کا مطلب کیا ہے۔“

”ابھی شاید تمہارا طمینان نہیں ہوا۔“ فریدی نے کہا۔

”بھلا کیسے ہو سکتا ہے..... جب کہ آج کل میرا وارنٹ جاری ہے۔“

”پھر مجھے اس سے کیا۔“ فریدی نے کہا۔ ”تم جانتے ہو کہ میں معمولی معاملات میں قطعی دلچسپی نہیں لیتا۔“

”میں یہ بھی جانتا ہوں..... لیکن.....!“

”میرا اس طرح پیش آنا مصلحت سے خالی نہیں۔“ فریدی نے جملہ پورا کر دیا۔

”جی ہاں.....!“ اجنبی نے سر ہلاتے ہوئے جلدی سے کہا۔

”فرض کرو..... میں تم سے کوئی کام لینا چاہتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔

”بسرو چشم..... میں اپنے لئے باعث فخر سمجھوں گا۔ بشرطیکہ اس میں کوئی چال نہ ہو۔“

اجنبی نے کہا۔

”خیر جب تمہیں اطمینان نہیں ہو تا تو جانے دو۔“ فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

”اس کام کی نوعیت.....؟“ اجنبی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

”یہ ابھی نہیں بتا سکتا۔“ فریدی بولا۔ ”تو تم بھی وہیں میٹرو میں ٹھہرے ہو گے۔“

”ظاہر ہے.....!“ اجنبی مسکرا کر بولا۔

”اچھا تو پھر میں آج شام کو میٹرو آؤں گا..... ذرا میں بھی تو دیکھوں کہ تمہاری پسند کیسی

ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”ضرور ضرور..... میں آپ کا انتظار کروں گا۔ اکیلے ہی آئے گا۔“

”نہیں..... میرے ساتھ میرا اسٹنٹ حمید بھی ہو گا۔“

”اچھا تو میں ایک میز پہلے ہی مخصوص کرالوں گا.... کیونکہ آج کل بھیڑ زیادہ رہتی ہے۔“

”بہت اچھا.....!“ فریدی نے کہا اور کاؤنٹر پر بل ادا کر کے باہر نکل گیا۔

اجنبی بھی اٹھا اور فٹ پاتھ پر کھڑا ہو کر جاتے ہوئے فریدی کو حیرت سے دیکھنے لگا۔ اچانک

فریدی لوٹ پڑا۔

”ایک بات تو بھول ہی گیا۔“ فریدی اس کے قریب آکر بولا۔

”فرمائیے۔“

”تمہارا موجودہ نام کیا ہے۔“

”لوگ مجھے پروفیسر جاوید کہتے ہیں۔“

”بہت خوب..... اچھا تو پھر آٹھ بجے ملاقات ہو گی۔“
 ”ضرور.....!“

فریدی اس سے ہاتھ ملا کر چل پڑا۔

ایک تصویر ایک خط

میٹرو ہوٹل کا وسیع ہال شہر کے فیشن اہل اور ذی حیثیت طبقہ کے افراد سے کھینچ بھرا ہوا تھا۔ آج اسپینی راقصہ کا سیشنل پروگرام تھا۔ کچھ میزیں خالی نظر آرہی تھیں، لیکن بہترے لوگوں کی واپسی ظاہر کر رہی تھی کہ وہ پہلے ہی سے ”مخصوص“ کرائی جا چکی ہیں۔

فریدی اور حمید بہترین سوٹوں میں ملبوس میٹرو ہوٹل کے ہال میں داخل ہوئے، فریدی کی نگاہیں شکر کو تلاش کر رہی تھیں۔ دفعتاً ایک جگہ اس کی نظریں رک گئیں۔ شکر ہاتھ اٹھائے انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا، دونوں جلدی جلدی قدم اٹھاتے ہوئے اس کی میز پر پہنچے۔
 ”پروفیسر جاوید اور سر جنٹ حمید.....!“ فریدی نے شکر اور حمید کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ دونوں نے ہاتھ ملاتے ہوئے

چندر نمی بٹلے کہے اور بیٹھ گئے، شکر نے پیرے کو بلا کر آرڈر دیا۔

حمید کی نگاہیں بار بار اسٹیج کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ اُسے حیرت تھی کہ آخر آج فریدی کو ایک بیک تفریح کی کیوں سوچھی اور تفریح بھی کیسی ایک خوبصورت عورت کا ناچ۔ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ پروفیسر جاوید کون ہے کہاں سے آیا ہے اور فریدی کا کس قسم کا دوست ہے۔ کیونکہ اس نے فریدی کی زبان سے اس کا تذکرہ کبھی نہیں سنا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد سارا ہال آرکسٹرا کی آواز سے گونج اٹھا۔ گوکہ موسیقی غیر ملکی تھی لیکن انواع و اقسام کے سازوں کی ہم آہنگی نے ایک ایسی فضا پیدا کر دی تھی جو کم از کم مغربی طرز کے ہندوستانیوں کے لئے نئی نہ تھی۔ اسپینی راقصہ اپنے ڈھیلے ڈھالے ریشمی لباس میں ہلکورے لیتی

ہوئی اسٹیج پر نمودار ہوئی۔ یہ لوگ جس میز پر تھے وہ اسٹیج سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھی۔ وقاصہ کے دل آویز غدوخال یہاں سے صاف نظر آرہے تھے۔ فریدی کافی دلچسپی لے رہا تھا۔

”کوسائی کی طرز جدید.....!“ وہ زیر لب بڑبڑایا۔

”جی.....!“ شکر چوک پڑا۔

”اسپین کا دہقانی رقص کچھ نئی تبدیلیوں کے ساتھ۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”میں تمہارے انتخاب کی داد دے بغیر نہیں رہ سکتا۔“

حمید ان دونوں کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

”شکریہ.....!“ شکر بولا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد پردہ گرا دیا گیا..... سارا ہال تالیوں سے گونج رہا تھا۔ اسی شور میں فریدی کو کسی کی آواز سنائی دی، جو نئی طرح چیخ رہا تھا۔

”سرخ..... سرخ..... سب کچھ سرخ..... یہ کیسی سرخی ہے۔“

فریدی چوک پڑا..... ایک آدمی چیختا چلاتا ہوا صدر دروازے کی طرف بھاگا جا رہا تھا۔

”شاید زیادہ پی گیا ہے۔“ کئی میزوں سے آوازیں آئیں۔

فریدی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اسے اب تک ”سرخ سرخ“ کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔

”حمید جلدی کرو۔“ فریدی کہتا ہوا اس آدمی کے پیچھے لپکا۔ اس نے ایک اور شخص کو بھی اس کے پیچھے جاتے ہوئے دیکھا، حمید اور شکر دونوں اٹھ کر آگے بڑھے۔

باہر نکل کر دوسرے آدمی نے چیخنے والے کو پکڑ لیا اور اسے لے جانے کے لئے کھینچنے لگا۔

”کیا بات ہے.....!“ فریدی نے دونوں کے قریب پہنچ کر کہا۔

”آپ سے مطلب.....!“ دوسرا آدمی درشت لہجے میں بولا۔

مدھوش آدمی قہقہہ لگا کر بولا۔ ”تم بھی سرخ ہو..... میں بھی سرخ ہوں، سب کچھ سرخ ہے۔“

”دیکھو مسٹر سیدھی طرح بات کرو۔“ فریدی گرج کر بولا۔

”تم کون ہو تے ہو ہمارے معاملات میں دخل دینے والے۔“ اس نے کہا۔

”اے بھی بتاتا ہوں۔“ یہ کہہ کر فریدی نے گردن پکڑ لی۔

وہ گردن پھڑانے کے لئے جدوجہد کرنے لگا۔ اس سلسلے میں اس نے فریدی کے دو تین مکے بھی رسید کئے لیکن فریدی کی گرفت سے نکل جانا آسان کام نہ تھا۔

”تم دونوں اسے کار میں لے کر فوراً گھر جاؤ..... میں ابھی آتا ہوں۔“

دونوں نے مدہوش آدمی کو زبردستی کار میں بٹھایا اور فریدی کے مکان کی طرف روانہ ہو گئے۔

فریدی اس آدمی کو گردن سے پکڑے ہوئے قریب کے تھانے کی طرف لے چلا۔

سب انسپکٹر اسے اس حال میں دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

”رشد اسے بند کر دو..... مجھے جلدی ہے ابھی آتا ہوں۔“ یہ کہہ کر اس نے گردن

پکڑے ہوئے آدمی کو فرش پر دھکیل دیا۔

”کب تک کے لئے۔“ ”رشد نے پوچھا۔

”جب تک میں واپس نہ آؤں۔“ فریدی نے دروازے سے نکلتے ہوئے کہا۔

اس نے بہت سے لیموں خریدے اور ایک ٹیکسی کر کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

مدہوش آدمی صوفے پر پڑا گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ حمید اور شکر اس پر جھکے ہوئے تھے۔

”اسے قے تو نہیں ہوئی۔“ فریدی نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں.....!“

حمید قے کا نام سن کر چونک پڑا۔

”قے..... کیا مطلب.....!“

”ابھی بتاتا ہوں.....“ فریدی نے کہا۔ ”اس کا منہ چیر و..... جلدی کرو۔“

حمید نے منہ کھولنے کی کوشش کی لیکن اس کے دانت ایک دوسرے پر جم کر رہ گئے۔ بہزار

وقت وہ منہ کھولنے میں کامیاب ہوا۔ فریدی نے سارے لیموں کاٹ کاٹ کر اس کے حلق میں

نچوڑ دیے اور ایک کرسی تھپیٹ کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ شکر اور حمید سمجھ رہے تھے کہ شاید

فریدی نے اس کا نشہ کم کرنے کے لئے ایسا کیا ہے۔ وہ دونوں خاموشی سے اس کے ہوش میں آنے

کا انتظار کر رہے تھے۔ دفعتاً اس کے منہ اور ناک سے ہرے رنگ کا پانی بہنے لگا۔

”اوہ.....!“ فریدی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ”میرا خیال صحیح نکلا۔“

”یعنی.....!“ حمید جلدی سے بولا۔

”ابھی بتاتا ہوں.....!“ فریدی نے کہا اور بے ہوش آدمی کی طرف دیکھنے لگا۔
 ”مگر سب لا حاصل۔“ وہ تھوڑی دیر کے بعد بولا۔ ”اس کی جان تو بچ گئی لیکن ہمارے لئے
 بے سود۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“ حمید نے کہا۔
 ”گھبراتے کیوں ہو..... بتاتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”بس یہ سمجھ لو کہ اگر اتفاق سے یہ
 ہمارے ہاتھ نہ لگ جاتا تو ہمیں اس کی لاش بھی اپنے پھانک پر دیکھنی پڑتی۔“
 حمید اور شکر اپنی اپنی جگہوں پر اچھل پڑے۔
 ”وہ کیسے.....!“ حمید تیزی سے بولا۔
 ”ٹھہرو.....!“ فریدی سکوت کے ساتھ بولا۔
 اس نے اٹھ کر اس کی جیبوں کی تلاشی لینی شروع کی۔
 چند کاغذات اور کچھ سکے نکال کر اس نے میز پر ڈال دیئے اور ایک ایک کر کے کاغذات کا
 مطالعہ کرنے لگا۔ دفعتاً وہ چونک پڑا۔

”لو بھئی..... شاید یہ صاحبزادے عشق بھی فرماتے تھے۔“ فریدی نے ایک چھوٹی سی
 تصویر اور ایک کاغذ کا ٹکڑا حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔
 شکر بھی دیکھنے کے لئے جھک پڑا۔ دفعتاً اس کے منہ سے معجزانہ انداز میں ایک ہلکی سی چیخ
 نکل گئی۔

”ارے یہ تو..... وہ ہے.....!“ شکر کچھ سوچتا ہوا بولا۔
 ”کون.....!“ فریدی چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔
 ”پروفیسر نصیر کی بھتیجی..... رقیہ.....!“
 ”پروفیسر نصیر..... کون پروفیسر نصیر.....!“
 ”وہیں میٹرو میں رہتا ہے..... اس نے محض مطالعہ کرنے کی غرض سے وہاں ایک کمرہ
 لے رکھا ہے۔“

”اوہ.....!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”پروفیسر نصیر..... کیا تمہاری اس سے جان
 پہچان ہے۔“

”بہت معمولی سی۔“ شکر بولا۔

”کیا لڑکی بھی اس کے ساتھ رہتی ہے۔“

”نہیں.....!“

فریدی نے کاغذ کا ٹکڑا اور تصویر حمید کے ہاتھ سے لے لی۔

”یہ خط ہے..... بہت دلچسپ۔“ فریدی نے کہا اور خط پڑھنے لگا۔

”ذیر سعید.....!“

آج شام کو میٹرو میں ملو، اور ہاں میری وہ تصویر بھی لیتے آنا، جو میں نے تمہیں دی تھی۔

میری ایک سیٹی اُسے دیکھنا چاہتی ہے۔ میں اُسے دکھا کر تمہیں پھر واپس کر دوں گی۔ چچا جان

تمہیں بہت یاد کرتے ہیں۔ فقط“

فریدی خاموش ہو گیا۔

”ایک دلچسپ جال.....!“ وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”محبت کی پیٹنگیں بڑھانے کے لئے اس

نے اُسے اپنی تصویر دی اور پھر نہایت خوبصورتی کے ساتھ واپس لینا چاہتی ہے تاکہ اس کے

مر جانے کے بعد اس کے یہاں سے کوئی ایسی چیز نہ دستیاب ہو سکے، جس کے ذریعہ مجرموں کا

سراغ ملنے کا امکان ہو..... مگر افسوس کہ کسی وجہ سے پلاٹ ناکام رہا۔“

”آخر آپ پیسیلیاں کیوں بھجوا رہے ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”ابھی فی الحال وضاحت کے لئے وقت نہیں۔“ فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”تم یہیں اس

کے پاس ٹھہرو..... نوکروں کو بھی یہیں بلواؤ۔ کیونکہ یہ ہوش میں آنے کے بعد بھی ہوش

میں نہ رہے گا۔ نہیں سمجھے! اس کا دماغی توازن ٹھیک نہیں ہو گا۔ لیکن خیال رہے کہ یہ نکل کر

جانے نہ پائے..... اور تم شکر..... اودہ..... جاوید میرے ساتھ آؤ۔“

فریدی شکر کو ساتھ لے کر باہر نکل گیا۔

چند لمحوں بعد فریدی کی کار میٹرو کی طرف جارہی تھی۔

”ہم کہاں جا رہے ہیں.....؟“ شکر نے پوچھا۔

”میٹرو.....!“

”کیوں.....؟“

”پروفیسر نصیر اور اس کی بھتیجی۔“

”اوہ.....!“

پھر خاموشی چھا گئی۔ کار شہر کی پر رونق سڑکوں سے گذر رہی تھی۔

”ارے یہ کیا.....؟“ دفعتاً شکر چیخا۔

”کیا.....!“

”شکر نے میٹرو ہوٹل کے ایک حصے کی طرف اشارہ کیا جہاں سے شعلے نکل رہے تھے۔“

”آگ.....!“ فریدی جلدی سے بوا۔ ”یہ آگ کیوں۔“

اس نے فٹ پاتھ پر کار کھڑی کر دی۔ لوگ میٹرو سے نکل نکل کر بھاگ رہے تھے۔ باہر

کھڑے ہوئے آدمی بری طرح چیخ رہے تھے۔ پولیس بھی آگئی تھی۔

فریدی اور شکر اندر گھسنے لگے۔

”کیا ہے..... کون ہو تم لوگ۔“ ایک سب انسپکٹر ان کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

فریدی نے اپنے چہرے پر ہلکے ہوئے فلٹ ہیٹ کا گوشہ اٹھا دیا۔

”اوہ آپ.....!“ سب انسپکٹر ایک طرف ہٹا ہوا بوا۔

وہ دونوں تیزی سے اندر گھس گئے۔

”نصیر کا کمرہ.....!“ فریدی نے کہا۔

”اوہر.....!“ شکر بوا۔ اور دونوں ایک طرف کے زینوں پر چڑھنے لگے۔

”اوہ.....!“ شکر رک گیا۔

”کیا.....!“

”اسی کے کمرے میں آگ لگی ہے۔“

”پٹرول کی بو.....!“ فریدی بوا۔ ”آگ دیدہ دانستہ لگائی گئی ہے، مگر کیوں۔“

دونوں نے آگے بڑھنا چاہا لیکن آگ کی لپٹیں اتنی تیز تھیں کہ قدم بڑھانا محال معلوم ہو رہا

تھا۔ یہاں اس جگہ بھی کافی مجمع ہو گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد آگ بجھانے والے انجن آگئے اور کچھ دیر کی جدوجہد کے بعد آگ پر قابو

پالیا گیا۔ فریدی اور شکر آگے بڑھے۔ کمرے کے دروازے اور کھڑکیاں جل کر کوئلہ ہو چکی

تھیں..... اندر کا سارا سامان بھی انگاروں کے ڈھیر میں تبدیل ہو گیا تھا۔

”بے کار بے سود۔“ فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ ”وہ لوگ صاف نکل گئے۔“

”جی.....!“ شکر چونک کر بولا۔

”خیر کوئی پرواہ نہیں، ابھی ایک کڑی ہمارے ہاتھ میں ہے۔“ فریدی نے کہا اور زینوں سے

نیچے اترنے لگا۔ ”آؤ شکر تھانے چلیں۔“

سب انسپکٹر انہیں دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

”کہئے کوئی اور خدمت.....!“ وہ فریدی کی طرف دیکھ کر بولا۔

”ذرا اُسے لاؤ.....!“ فریدی نے کہا۔

”کے.....!“ سب انسپکٹر حجبہ انداز میں بولا۔

”یہی جسے میں تمہارے سپرد کر گیا تھا۔“

سب انسپکٹر ہنسنے لگا۔

”اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔“ فریدی اُسے گھور کر بولا۔

سب انسپکٹر اور زور سے ہنسنے لگا۔

”کیا لغویت ہے۔“ فریدی تقریباً جج کر بولا۔

سب انسپکٹر خاموش ہو گیا۔ وہ حیرت سے فریدی کو دیکھ رہا تھا۔

”آخر بولنے کیوں نہیں۔“ فریدی پھر بولا۔

”میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ آخر میں اسے کیا سمجھوں۔“ سب انسپکٹر الجھے ہوئے

انداز میں بولا۔

”عجیب آدمی ہو تم..... آخر سیدھی طرح بات کیوں نہیں کرتے۔“ فریدی بگڑ کر بولا۔

”جناب والا..... ابھی ابھی آپ خود ہی تو اسے لے گئے ہیں۔“ سب انسپکٹر بھی کچھ گرم

لہجے میں بولا۔

”میں.....!“ فریدی اچھل پڑا۔

”جی ہاں.....!“ سب انسپکٹر نے کہا اور ناخوشگوار انداز میں دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

”تب تمہیں دھوکا دیا گیا ہے۔“ فریدی نے پرسکون لہجے میں کہا۔

”دھوکا..... کیا مطلب۔“ سب انپکٹر چونکا۔

”میرے بھیس میں کوئی اور اسے اڑالے گیا۔“

”آپ مذاق کر رہے ہیں۔“ سب انپکٹر گھبرا کر بولا۔

”کیا اُسے لے جانے والا تھا تھا۔“

”جی ہاں..... مگر..... مگر..... آپ.....!“

”ہاں بھی یقین کرو کہ تمہیں دھوکا دیا گیا ہے۔“

تھوڑی دیر بعد فریدی اور شکر بے نیل و مرام گھر کی طرف لوٹ رہے تھے۔

لاشوں کا راز

فریدی اور شکر گھر پہنچے۔ وہ آدمی بیدار ضرور ہو گیا تھا لیکن اس کی حالت ایسی نہیں تھی کہ اسے ہوش میں کہا جاسکتا۔ اس کے بیدار ہوتے ہی حمید کو بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اگر چند نوکر بھی اس کے ساتھ نہ ہوتے تو وہ اسے کسی طرح نہ روک پاتا کیونکہ اس نے اٹھ اٹھ کر بھاگنا شروع کر دیا تھا۔ آخر تک اگر حمید نے نوکروں کی مدد سے اُسے صوفے میں جکڑ دیا تھا۔

جس وقت فریدی اور شکر گھر میں داخل ہوئے وہ مری طرح چیخ رہا تھا۔

”میں ناچ سکتا ہوں.....!“ وہ حشیانہ انداز میں تہقہہ لگاتا ہوا بولا۔

”ابستہی راقصہ کی طرح..... میں نے سیکھ لیا ہے..... چچا نے مجھے سب کچھ سکھا

دیا..... ہا ہا ہا۔“

”تم نے دیکھا.....!“ فریدی شکر کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ ”تم کہہ رہے تھے کہ اس

سے سب کچھ معلوم ہو جائے گا..... اور میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ یہ ہوش میں آنے کے بعد

بھی ہوش میں نہ ہو گا۔“

”آخر یہ سب ہے کیا۔“ حمید جھنجھلا کر بولا۔ ”خواہ مخواہ ایک خطبی آدمی کو پکڑ لائے اور

میرے سر منڈھ دیا۔“

”دھیرج..... دھیرج..... بر خور دار.....!“ فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ پھر شکر سے بولا۔ ”میٹرو میں آگ لگانے کا مقصد میری سمجھ میں آ گیا۔“

شکر اس کی طرف استفہامیہ انداز میں دیکھنے لگا۔

”وہ لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ ہم ابھی دوبارہ میٹرو میں واپس آئیں گے کیونکہ وہ اس کی جیب سے تصویر اور خط نہیں نکال پائے تھے۔ انہوں نے تم کو بھی ہمارے ساتھ دیکھا اور یقین کر لیا کہ تم اس تصویر کو دیکھ کر ہم لوگوں کے متعلق ضرور بتاؤ گے۔ یا پھر ممکن ہے کہ انہوں نے تمہیں بھی جاسوس سمجھا ہو۔ ہاں تو انہوں نے میٹرو میں اس لئے آگ لگائی کہ ہمیں اس میں الجھا کر اپنے اس آدمی کو نکال لے جائیں جسے ہم نے تمہارے میں بند کروادیا تھا اور وہ اس میں کامیاب ہو گئے۔“

”مگر..... مگر.....“ شکر بے صبری سے صوفے میں بندھے ہوئے آدمی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ”یہ کون ہے۔“

”ایک مظلوم.....!“ فریدی نے جواب دیا۔ ”اگر یہ ہمارے ہاتھ اتفاق سے نہ لگ جاتا تو کل اس کی لاش کی پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی ہمیں مرگی اور ہارٹ فل وغیرہ کی کہانی سناتی۔“

”اوہ..... لیکن آپ نے اس کا اندازہ کیسے لگایا۔“ حمید جلدی سے بولا

”اپنی معلومات کی بناء پر۔“ فریدی بولا۔ ”اچھا بتاؤ یہ ہوٹل میں چیخ چیخ کر کیا کہہ رہا تھا۔“

حمید سوچنے لگا۔ صوفے میں بندھا ہوا آدمی کافی دیر تک چیخنے رہنے کے بعد نڈھال ہو کر اونگھنے لگا تھا۔

”میرے خیال میں یہ سرخ سرخ کی رٹ لگائے ہوئے تھا۔“ حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

”ٹھیک.....!“ فریدی بولا۔ ”اس زہر کی سب سے بڑی پہچان یہی ہے کہ اس کے شکار کو جب تک وہ زندہ رہتا ہے ہر چیز سرخ دکھائی دیتی ہے۔“

”زہر.....!“ حمید تقریباً چھل کر بولا۔

”ہاں زہر..... اور یہ اپنی قسم کا واحد زہر ہے۔ تم نے دوسرے زہروں کے متعلق سنا ہوگا کہ اگر زہر کھائے ہوئے آدمی کو فوراً آتے ہو جائے تو اس کے بچ جانے کے امکانات پیدا ہو جاتے

ہیں، لیکن اس زہر کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ تے ہوتے ہی آدمی مر جاتا ہے اور اگر کسی طرح تے روک دی جائے تو پھر نہیں مرتا۔ لیکن زندگی بے کار ہو جاتی ہے، کیونکہ ایسی صورت میں اس کا پاگل ہو جانا یقینی ہے۔“

”مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے الف لیلیٰ میں ایک کہانی اس قسم کی پڑھی تھی۔“ حمید ہنس کر بولا۔

”تم احمق ہو۔“ فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔

”میں ابھی آیا.....!“ فریدی نے کہا اور کمرے سے چلا گیا۔ چند لمحوں کے بعد جب وہ لوٹ کر آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی جس کی چمڑے کی کرم خوردہ جلد بتا رہی تھی کہ وہ بہت پرانی ہے۔ فریدی ایک کرسی پر بیٹھ کر بہت احتیاط سے اس کے ورق الٹنے لگا۔

”اس کتاب کا نام ہے.....‘افریقہ کے کچھ راز‘ یہ دراصل گلبرٹ نامی ایک پادری کی ڈائری ہے جو اٹھارویں صدی میں افریقہ کی سیاحت کر رہا تھا۔“ فریدی نے کتاب کے کچھ مخصوص صفحات پر روشنائی سے نشانات لگائے ہوئے تھے کھولتے ہوئے کہا۔

شکر اور حمید خاموشی سے سن رہے تھے۔

فریدی نے پڑھنا شروع کر دیا۔

”وہ جس نے مریم کے جسد میں اپنی روح پھونک دی، وہ جس نے اپنے بیٹے کو ظالموں سے رہائی دلا کر اپنے پاس آسمان پر بلا لیا۔ وہ جو حشر کے دن ہماری پیشانیوں پر اپنے بیٹے کی غلامی کا داغ دیکھے گا..... اس کی عظمت..... اور اس کی بزرگی کا احساس افریقہ کے ہر اسرار جنگلوں میں ہوتا ہے..... ہم دشوار گزار راستے طے کر کے ایسی جگہ پہنچے ہیں جہاں زولو قوم بس رہی ہے۔ ہمارے پاس کو ساسمی کی نشانی تھی۔ کو ساسمی..... موبوٹو قبیلے کا سردار ہے۔ میں نے اسے کالے بنجار سے نجات دلائی تھی۔ اس نے خوش ہو کر مجھے اپنی نشانی دی تھی اور نشانی کا احترام کرنے والے مجھے اس علاقے میں ہر جگہ نظر آئے، ان لوگوں کا خیال ہے کہ کو ساسمی ان کے سب سے بڑے دیوتا سرخ بندر کی اولاد ہے۔ وہ اس سے اس طرح خوف کھاتے ہیں جیسے اپنے دیوتا سے۔ ہم لوگ زولو قوم کے افراد میں اس وقت پہنچے جب وہ اپنا سب سے بڑا تہوار منانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔“

ہمیں بھی اس میں شرکت کرنے کی دعوت دی گئی، ہم اس جگہ پہنچے جہاں تہوار منایا جانے والا تھا۔ یہاں ایک بہت بڑا بت رکھا ہوا تھا جس کے پیروں کے پاس تقریباً پندرہ گز کے رقبے میں آگ روشن تھی۔

بہت سے نیم عریاں مرد اور عورتیں دائرہ بنا کر اس کے گرد اچھل کود رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد قوم کا سردار ایک تخت پر نمودار ہوا۔ جسے کچھ لوگ اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے تھے۔ سردار کے سامنے تخت پر ایک آدمی رسیوں سے جکڑا ہوا بڑا تھا۔ یہ اس قوم کا نہیں معلوم ہوتا تھا۔ غالباً یہ کوئی قیدی تھا۔ آگ کے گرد خاموشی سے اچھلنے کودنے والوں میں سے ایک نے بلند آواز میں کچھ کہا اور وہ لوگ چیخ چیخ کر گانے لگے۔ بقیہ لوگ سجدوں میں گر گئے۔ ڈھول بُری طرح پیٹے جارہے تھے۔ ناچنے والوں میں وحشیانہ پن آچلا تھا۔ دفعتاً سردار نے اپنے سامنے رکھا ہوا ایک سینگ اٹھا کر ہونٹوں میں دبایا اور اُسے پوری طاقت کے ساتھ پھونکنے لگا۔ اس سینگ سے نکلنے والی آواز کسی بدروح کی آواز سے مشابہ تھی۔ یہ آواز سنتے ہی سناٹا چھا گیا۔ سجدوں میں پڑے ہوئے لوگ اٹھ کر دوزانو ہو گئے۔ آگ کے گرد ناچنے والے دائرے بنا کر کھڑے ہو گئے۔ ناچنے والوں میں ایک آدمی جو شاید پروہت تھا آگے بڑھا اور اس نے بت کے قدموں کے پاس سے ایک کلباڑی اٹھائی اور اسے بوسہ دیا اور دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر سردار کے سامنے لایا۔ سردار تخت سے اتر اور پروہت کے سامنے ایک گھٹنا ٹیک کر کلباڑی کو بوسہ دینے لگا اور پھر وہ کلباڑی پروہت سے لے کر اس طرح تان کر کھڑا ہو گیا جیسے وہ کسی پر حملہ کرنا چاہتا ہو۔ پروہت نے سجدے میں گر کر سردار کے دونوں پیر چومے اور پھر آگ کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔

سردار تھوڑی دیر تک کلباڑی تانے اور آنکھیں بند کئے کھڑا رہا۔..... پھر دفعتاً اس نے ایک بھیاںک چیخ ماری اور کلباڑی کو نچانچا کر اچھلنے کودنے لگا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ کچھ گاتا بھی جارہا تھا۔ رفتہ رفتہ وہ لوگ بھی اس کے قریب آگئے۔..... جو آگ کے پاس کھڑے ہوئے تھے۔ وہ سردار کے گرد دائرہ بنا کر ناچنے لگے، سردار رک رک کر کچھ کہتا جارہا تھا جسے یہ ناچنے والے دہراتے تھے۔

اسی دوران میں چند آدمی اس بندھے ہوئے آدمی کو جو تخت پر پڑا تھا لکڑی کے ایک پیالے میں بھری ہوئی کوئی چیز پلانے کی کوشش کرنے لگے۔ اس آدمی کے رویے سے معلوم ہو رہا تھا

جیسے وہ اُسے نہیں پینا چاہتا۔ آخر ان لوگوں نے اسے بالکل بے بس کر کے زبردستی وہ سیال شے اس کے حلق میں اٹھانی شروع کی۔

پھر اس کی رسیاں کھول دی گئیں اور وہ بیٹھ کر جھومنے لگا۔ دو تین آدمی اسے اٹھا کر اس جگہ لائے جہاں سردار کے گرد تاج ہو رہا تھا۔ ان لوگوں نے اسے بھی انہیں کی بھیڑ میں دھکیل دیا۔ تاپنے والوں کی چیخیں پہلے سے بھی زیادہ ہو گئیں وہ شخص بھی انہیں کے ساتھ مل کر اچھلنے کودنے لگا۔ تاج کی رفتار لحظہ بہ لحظہ تیز ہوتی جا رہی تھی۔ دفعتاً قیدی کو ایک بڑی سی تہ ہوئی اور وہ گر پڑا۔ تاپنے والوں نے اچھل اچھل کر قہقہے لگانے شروع کر دیئے۔ گرنے والا تھوڑی دیر تک تڑپتا رہا پھر ایک جھٹکے کے ساتھ اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔

چند آدمیوں نے اس کی لاش اٹھائی اور دیوتا کے گرد چکر لگانے لگے اور..... پھر (خدا ان پر اپنا قہر نازل کرے) انہوں نے اسے دھکی ہوئی آگ میں پھینک دیا۔ میں نے اور میرے سفید فام ساتھیوں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

ہم لوگ وہاں سے اپنی قیام گاہ پر لوٹ آئے۔

ہمارے سیاہ فام رہبر پومپی نے جس کے سیاہ سینے میں ایک نورانی دل ہے جس پر خدا کے بیٹے نے اپنی رحمتیں نازل کی ہیں ٹوٹی پھوٹی عربی زبان میں ہمیں بتایا کہ اب وہ لوگ اُسے بھون کر کھا جائیں گے۔

اس نے یہ بھی بتایا کہ اسے ایک طرح کا زہر پلایا گیا تھا۔ اس کی اس نے جو خاصیت بتائی وہ عجیب و غریب تھی۔ یہ شہمتی جو ایک قسم کی گھاس ہے، سے نکالا جاتا ہے، زہر نکالنے کا طریقہ اس نے قریب قریب وہی بتایا جو ہمارے یہاں کسی چیز کی شراب کشید کرنے کے سلسلے میں اختیار کیا جاتا ہے۔ اسے پی کر آدمی مدہوش ہو جاتا ہے اور اس وقت جس چیز کی طرف بھی اس کا ذہن مائل ہو جاتا ہے، وہی کرنے لگتا ہے، اور اس وقت تک نہیں مرتا جب تک کہ اسے قے نہیں ہو جاتی۔ اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اسے اچھلنے کودنے پر مجبور کیا جائے۔

اور ایک بات جو اس نے بتائی..... وہ یہ تھی کہ قے ہو جانے کے بعد اس زہر کا ذرہ برابر اثر جسم میں نہیں رہ جاتا اور یہ وحشی لوگ بغیر کسی خوف کے اس کا گوشت کھا جاتے ہیں۔ یہ ان کے یہاں کی ایک مذہبی رسم ہے جس کے لئے وہ ہمیشہ کسی دوسری قوم کے آدمی کو پکڑتے ہیں۔

بعض اوقات ایسے آدمیوں کو کچھ دیر کے لئے مرنے سے روک بھی دیتے ہیں۔ یہ عموماً ایسے ہی موقوفوں پر ہوتا ہے جب انہیں یہ یقین ہو جاتا ہے کہ وہ اس ضمن کی کسی رسم کو ٹھیک طرح پر ادا نہیں کر پائے، وہ اسے لیموں کا عرق پلا کرتے کرنے سے روک دیتے ہیں اور اس رسم کو باقاعدہ طور پر دہرانے کے بعد اسے پھر زہر پلایا جاتا ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ ان کا شکار لیموں کا عرق پی چکنے کے بعد ان کے ہاتھ سے نکل گیا ہے، لیکن پھر وہ زندگی بھر صبح الدماغ نہیں ہو سکا۔

اس سلسلے میں ایک اور بات کا تذکرہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہو گا وہ یہ کہ اس زہر کے پینے والے کو ہر چیز سرخ دکھائی دیتی ہے۔

”اف میرے خدا۔“ حمید نے کہا اور صوفے میں بندھے ہوئے آدمی کی طرف دیکھنے لگا، جو شاید نقابت کی وجہ سے سو گیا تھا۔

”لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ ان اشوں کو میرے چھانک پر ڈلوادینے کا کیا مقصد تھا۔“ فریدی نے کہا۔ ”جو لوگ زہر دینے میں اتنی احتیاط برت رہے ہیں وہ مجھے خواہ مخواہ کیوں چیلنج کرنے لگے۔ اگر واقعی یہ چیلنج ہے تو بڑی عجیب بات ہے کیونکہ میں نے آج تک یہ نہیں سنا کہ کبھی کسی مجرم نے کسی سراغ رساں کو چیلنج کیا ہو۔“

”واقعی عجیب بات ہے۔“ شکر بولا۔

”بہر حال یہ لوگ بچ نہیں سکتے۔ اس لڑکی کی تصویر ہمارے ہاتھ لگ جاتا ان کے لئے موت کا پیغام ثابت ہو گا۔“ حمید نے کہا۔

”ایسا نہ سوچو میاں حمید۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”اس بار بڑے خطرناک لوگوں سے واسطہ پڑا ہے۔“

”اور مجھے بھی کہنے دیجئے کہ وہ لوگ بھی بڑے خطرناک آدمی کے جال میں پھنس گئے ہیں۔“

”کیوں حمید صاحب کیا خیال ہے۔“ شکر ہنس کر بولا۔

”نہیں..... میں کوئی ایسا خطرناک آدمی تو نہیں۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا اور شکر ہنسنے لگا۔

”اور پروفیسر جاوید صاحب۔“ فریدی شکر کو مخاطب کر کے بولا۔ ”مجھے ڈر ہے کہ کہیں

آپ کی محبوبہ بھی اس گروہ میں شامل نہ ہو۔“

”کیوں.....!“

”مجھے خیال پڑتا ہے کہ کسی سلسلے میں اس کی تصویر میری نظروں سے گزر چکی ہے۔“

”للائے کرم کیجئے گا..... اس غریب کے حال پر.....“ شکر نے کہا۔

”یہ کس محبوبہ کا تذکرہ ہے۔“ حمید نے بے صبری سے پوچھا۔

”آپ سے مطلب.....!“ فریدی نے کہا۔

”میں سمجھ گیا..... غالباً یہ اس رقاہ کا تذکرہ ہے۔“ حمید نے کہا۔

”تو پھر.....!“

”کچھ نہیں..... صاحب آخر اس میں بگڑنے کی کیا بات ہے۔“ حمید بوا۔

”گھبراؤ نہیں..... اس بار خود میں تمہیں عشق کرنے پر مجبور کروں گا۔“

”کس سے.....!“ حمید جلدی سے بوا۔

فریدی نے لڑکی کی تصویر حمید کی طرف بڑھادی۔

”بس معاف رکھئے جناب..... میری جان فالتو نہیں ہے۔“ حمید نے گھبرا کر کہا۔

شکر اور فریدی ہنسنے لگے۔

”تو میں اب چلوں۔“ شکر نے کہا۔

”کہاں.....؟“

”ہو ٹل.....!“

”ایسی حماقت بھی نہ کرنا۔ وہ لوگ تمہیں زندہ نہ چھوڑیں گے۔“ فریدی نے کہا۔

”خیر..... میرے کئی اور بھی ٹھکانے ہیں۔“ شکر نے کہا اور دونوں سے ہاتھ ملا کر

رخصت ہو گیا۔

”اب اس کے لئے کیا کیا جائے۔“ حمید نے سوچتے ہوئے آدمی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”تہہ خانہ.....!“ فریدی نے کہا۔ اگر یہ ہاتھ سے نکل گیا تو پھر بڑی دشواری ہوگی۔

”مگر آپ اس سے کیا معلوم کر سکیں گے۔ جب کہ اس کا دماغ ہمیشہ کیلئے خراب ہو چکا ہے۔“

”ابھی ایک امید باقی ہے۔“

”کیا.....؟“

”ذہنی امراض کا ماہر ڈاکٹر شوکت۔“

”اوہ ٹھیک.....!“ حمید کچھ دیر رک کر بولا۔ ”مگر مجھے تو امید نہیں۔“

”خیر دیکھا جائے گا.....“ فی الحال اسے تہہ خانہ میں منتقل کر دینا چاہئے۔ صبح اٹھ کر نوکروں کے سامنے اس طرح کی بدحواسی ظاہر کریں گے جیسے وہ رات ہی میں کسی طرح آزاد ہو کر بھاگ گیا۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”اس میں گہری رازداری کی ضرورت ہے۔ جس طرح وہ لوگ تھانے سے اپنے آدمی کو نکال لے گئے اسی طرح اس کا نکال لے جانا بھی ان کے لئے ناممکن نہیں ہو سکتا کہ وہ نوکروں کو کسی طرح دھوکہ دے کر اسے اڑا لے جائیں۔ اس لئے نوکروں کو اس سے لاعلم ہی رکھنا زیادہ بہتر ہے۔“

حمید نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔

دونوں نے مل کر سوئے ہوئے آدمی کو جواب جاگ پڑا تھا تہہ خانے میں لے جا کر بند کر دیا۔ اس نے چیخنے چلانے کی کوشش کی، لیکن فریدی نے اس کا منہ بڑے بے دردی سے بند کر دیا۔

حمید نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کار پر بیٹھ کر کہیں چلا گیا۔

ایک دلچسپ حادثہ

دوسرے دن صبح سات بجے کے قریب فریدی گھر واپس آیا۔ حمید بستر پر پڑا اخبار دیکھ رہا تھا۔ فریدی کو دیکھتے ہی اچھل پڑا۔

”لیجئے جناب..... اب ہم لوگ بھی الو بنائے جانے لگے۔“ حمید نے اخبار بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”فی الحال اس خبر کو ملاحظہ فرمائیے۔“

شہر کی پولیس سو رہی ہے

”دسمبر اطلاع ملی ہے کہ شہر کا مشہور بد معاش شکر جو رائے بہادر کالی چرن کی بیوی کو بھگالے گیا اور چائنا بیک آف کلکتہ کی ذکیتی میں بھی جس کا ہاتھ تھا آج کل شہر میں پرو فیسر جاوید

کے بھیس میں آزادی سے گھومتا پھر رہا ہے، یہاں کی پولیس میں اتنی ہمت نہیں کہ اسے پکڑ سکے۔ اس میں شک نہیں کہ اگر یہاں کا محکمہ سراغ رسانی اچھی طرح کام نہ کر رہا ہو تو اس شہر کے باشندوں کی زندگی اجیرن ہو جاتی۔“

اس خبر کے نیچے پروفیسر جاوید کاپور اپورا حلیہ لکھا ہوا تھا اور یہ خبر کراؤن نیوز ایجنسی کی تھی۔
 ”دیکھا جناب..... ہم لوگ کتنی آسانی سے دھوکہ کھا گئے۔“ حمید طنزیہ انداز میں بولا۔
 ”آپ سے اس کی جان پہچان کب سے تھی۔“

”نکو مت.....!“ فریدی درشت لہجے میں بولا۔ ”ایک بڑے کام کا آدمی ہاتھ سے نکل گیا۔ یہ بھی بد معاشوں کی ایک چال ہے۔“
 ”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“
 ”میں جانتا تھا کہ وہ شکر ہے۔“

”اور یہ بھی جانتے تھے کہ وہ قاتلوں کی ٹولی سے تعلق رکھتا ہے۔“ حمید نے کہا۔
 ”یہ غلط ہے..... اس کا اس کیس سے کوئی تعلق نہیں۔“ فریدی نے جواب دیا۔
 ”میں نہیں سمجھا۔“

”تم کبھی نہیں سمجھو گے۔“ فریدی نے کہا اور اٹھے پاؤں واپس چلا گیا۔
 اس کی کار کراؤن نیوز ایجنسی کے دفتری طرف تیزی سے بھاگی جا رہی تھی۔
 وہ سیدھا نمائندے کے کمرے میں چلا گیا۔ یہاں پولیس کے دو تین آفیسر پہلے ہی سے موجود تھے۔ فریدی کو دیکھ کر انہوں نے برا سامنہ بنایا۔

”میں جانتا ہوں کہ یہ خبر آپ کو کہاں سے ملی۔“ فریدی نے نیوز ایجنسی کے نمائندے کی طرف اخبار بڑھاتے ہوئے کہا۔

”جناب والا میں تنگ آ گیا ہوں اس سوال کا جواب دیتے دیتے..... ایک بار پھر عرض کرتا ہوں کہ یہ خبر ہمارے یہاں سے ہرگز نہیں گئی۔“

”تو کیا ہوا..... آخر آپ کو کیوں پریشانی ہے۔“ ایک سرکل انسپکٹر فریدی سے بولا۔
 ”اس میں تو آپ کے محکمے کی کافی تعریف ہے۔“

فریدی نے اس کے جملے میں طنز کی تلخی محسوس کی لیکن کچھ نہیں بولا۔

”بہر حال آپ کو اس کے لئے ثبوت بہم پہنچانا پڑے گا کہ یہ خبر آپ کے یہاں سے نہیں گئی۔“ فریدی نے کہا۔

”مجھ سے کہا گیا ہے کہ پولیس میری اینجنسی پر توہین کا مقدمہ چلائے گی، لہذا میں عدالت میں ہی ثبوت وغیرہ پیش کروں گا۔“ نمائندے نے کہا اور قلم اٹھا کر کچھ لکھنے لگا۔

فریدی وہاں سے مارٹک اسٹار کے دفتر کے لئے روانہ ہو گیا۔

ایڈیٹر نے اُسے بتایا کہ اسے کراؤن نیوز اینجنسی کے نمائندے کے دفتر سے یہ خبر ملی اور اس نے چھاپ دی۔ فریدی نے الگ کو شش کی کہ خبر دینے والے کے متعلق معلوم کر سکے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ وہ تھک ہار کر واپس چلا آیا۔ اسے افسوس تھا کہ ایک ایسا شخص ہاتھ سے نکل گیا کہ جو قاتلوں کو پہچانتا تھا۔ اس کی ساری اسکیم فیل ہو کر رہ گئی تھی۔

گھر پہنچ کر وہ بہت دیر تک غور فکر میں مبتلا رہا۔ آخر کار اس نے یہی طے کیا کہ سب سے پہلے شکر کو تلاش کرے۔

اس نے ایک ایک کر کے سارے مقامات جہاں مارے جہاں شکر کے ملنے کے امکانات تھے لیکن مایوسی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔ آخر کار اس نے کار کارخ شہر کی طرف موڑ دیا۔ اس وقت شہر کے باہر ایک سنسان سڑک سے گزرتے ہوئے وہ اپنی کار کے پیچھے ایک موٹر سائیکل کی آواز سن رہا تھا۔ اس نے گھوم کر دیکھا..... کار کے پیچھے کافی فاصلے پر ایک شخص اپنی آنکھوں پر بڑے شیشوں کا سیاہ چشمہ لگائے موٹر سائیکل پر چلا آ رہا تھا۔ فریدی کا اس طرح مڑنا محض اتفاق تھا۔ اس نے اُسے کوئی اہمیت نہ دی اور خیالات میں ڈوب گیا۔ موٹر سائیکل اور کار کا فاصلہ آہستہ آہستہ کم ہوتا جا رہا تھا۔ دفعتاً موٹر سائیکل والے نے جیب سے ریوالور نکال کر کار کے پچھلے پہیوں پر فائر کرنا شروع کر دیئے۔ فریدی نے کار روک دی۔ دونوں پہیے بے کار ہو چکے تھے۔ اتنے میں موٹر سائیکل والا ریوالور تانے ہوئے کار کے برابر پہنچ گیا۔ قبل اس کے کہ فریدی اپنا ریوالور نکالتا نو وارد نے اپنے ریوالور کی نال اس کی کیٹینی سے لگا دی۔

”خبر دار..... ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔“ نو وارد گرج کر بولا۔

”اوہ شکر.....!“ فریدی ہاتھ اوپر اٹھاتے ہوئے پراطمینان لہجے میں بولا۔ ”مجھے تم سے

اسی کی توقع تھی۔“

”بکومت..... تم نے میرے ساتھ دعا بازی کی ہے اور میں بھی کتنا احمق تھا کہ تمہارے

فریب میں آ گیا..... مگر..... خیر.....!“

”میں اسی لئے تمہیں ڈھونڈ رہا تھا کہ تمہاری غلط فہمی دور کر دوں۔“ فریدی نے کہا۔

”بہت اچھے.....“ شکر نے قہقہہ لگایا۔ ”تم سمجھتے ہو کہ میں پھر تمہارے دھوکے میں

آ جاؤں گا“

”مجھے کچھ کہنے بھی تو دو۔“

”کہو گے کیا..... مجھے اس کا فوس ہے کہ آج مجھ سے پہلا قتل سرزد ہوا جا رہا ہے۔“

فریدی مسکراتے لگا۔

”خیر مرنے سے پہلے مجھے کم از کم ایک گار تو سلا ہی لینے دو۔“ فریدی ہنس کر بولا۔

”بس..... بس..... ہاتھ اوپر ہی رکھو ورنہ۔“

”ورنہ کیا کر لو گے تم.....!“ فریدی نے دفعتاً اسے اتنے زور سے چیخ کر کہا کہ شکر ہجھک

پڑا اور دوسرے ہی لمحے میں اس کا ریوالبور والا ہاتھ فریدی کی آہنی گرفت میں تھا۔ شکر نے فائر

کرنے شروع کئے..... ایک..... دو..... اور کار کی کھڑکیوں کے دو شیشے چکنا چور

ہو گئے۔ تیسرا فائر لیکن بقیہ کار تو اس تو وہ کار کے پیروں پر پہلے ہی ضائع کر چکا تھا۔ شکر کے سرخ و

سید چہرے پر سیاہی دوڑ گئی۔ فریدی اسے دھکا دے کر کار سے نکل آیا۔ اس نے اس کا ریوالبور چھین

لیا تھا۔ شکر کے چہرے پر پسینے کی بوندیں پھوٹ آئی تھیں۔ اسکی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔

”یہ لو.....!“ فریدی نے خالی ریوالبور اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”اس میں

دوسری گولیاں بھر کر پھر سے کوشش کرو۔ احمق کہیں کے..... تم نے یہ نہ سوچا کہ اگر مجھے

تمہیں گرفتار ہی کرنا مقصود تھا تو یہ سب کچھ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ میں کسی وقت بھی تمہیں

پکڑ سکتا تھا۔ شاید تمہیں بھی خبر کے اس حصے کو پڑھ کر غلط فہمی ہوئی ہے، جہاں محکمہ سراغ رسانی کو

سرا ہا گیا ہے۔“

شکر خاموش ہی رہا۔

”یہ بھی مجرموں کی ایک چال تھی۔“ فریدی پھر بولا۔ ”وہ اس طرح مجھے اور تمہیں الجھا کر

خود اطمینان سے اپنا کام کرنا چاہتے ہیں اور اگر میں تمہیں گرفتار ہی کرانا چاہتا ہوں تو اس وقت بھی

تم میرے قابو میں ہو۔“

فریدی نے ریو الور شکر کی جیب میں ڈال دیا۔

”مگر..... مگر.....!“ شکر ہکلا یا۔

”مگر یہ کہ تم نے خواہ مخواہ میری کار کا ستیاناس کر دیا۔“

”میں کچھ نہیں سمجھ سکتا۔“ شکر نے مضطربانہ انداز میں اپنی پیشانی رگڑتے ہوئے کہا۔

”تم سب کچھ سمجھ سکتے ہو بشرطیکہ شبہ کرنا چھوڑ دو۔“ فریدی نے کہا۔ ”اگر تم نے احتیاط

سے کام نہ لیا تو کسی بڑی مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ گے۔“

”تو کیا میں یہاں سے چلا جاؤں۔“

”قطعی نہیں..... تم میرے مہمان بن کر میرے ساتھ رہ سکتے ہو۔“

”اگر کوئی فتنہ اٹھ کھڑا ہو۔“

”یہ مجھ پر چھوڑ دو.....!“

”لیکن یہ سب آخر کیوں۔“

”میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں تم سے کوئی کام لینا چاہتا ہوں۔“

شکر خاموش ہو گیا۔

”اس کے بعد جہاں دل چاہے چلے جانا۔“

”ہوں.....!“ شکر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

”اور تم یہ اطمینان رکھو کہ فی الحال تمہارا کیس پولیس ہی کے ہاتھ میں رہے گا۔ کیونکہ اس

خبر نے محکمہ پولیس کو خاص طور پر محکمہ سراغ رسانی کی طرف سے ضد دلا دی ہے اور میرا دعویٰ

ہے کہ پولیس تمہیں گرفتار نہیں کر سکتی۔“

”میں نے فی الحال اپنے رہنے کا انتظام کر لیا ہے۔“ شکر نے کہا۔ ”لیکن آپ یہ بتائیے کہ

مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہیں۔“

”پروفیسر نصیر اور اس کی بھتیجی کا سراغ.....!“ فریدی نے رگڑا لگاتے ہوئے کہا۔

”پروفیسر نصیر میٹرو ہی میں مقیم ہے۔“ شکر نے کہا۔

”میٹرو میں۔“ فریدی حجبانہ انداز میں بولا۔

تین جھوٹے

فریدی نے شکر کی مدد سے اپنی کار کے پیچھے تبدیل کئے اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے
مجرموں کی دیدہ دلیری پر حیرت ہو رہی تھی کہ وہ ابھی تک میٹرو ہی میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس
بار واقعی بہت ہی دلیر قسم کے مجرموں سے اس کا واسطہ پڑا تھا۔ وہ طرح طرح کے خیالات میں ڈوبا
ہوا گھر پہنچا۔ ابھی اس نے برآمدے ہی میں قدم رکھا تھا کہ اسے ڈرائنگ روم میں کسی عورت کا
قہقہہ سنائی دیا۔ جو اس کے لئے بالکل نیا تھا۔ فریدی ڈرائنگ روم کی طرف لپکا۔
وہ دروازے ہی میں ٹھک کر رہ گیا۔ یہ تو وہی تھی۔ تصویر والی پر اسرار لڑکی اور اس کے
ساتھ ایک ادھیڑ عمر کا مرد بھی تھا۔ دونوں اسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔

”کیا میں فریدی صاحب سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔“ مرد بولا۔
”جی ہاں..... فرمائیے۔“

مرد نے بڑے تپاک سے مصافحہ کیا۔
”تشریف رکھئے.....!“ فریدی نے کہا۔
دونوں بیٹھ گئے۔

”فرمائیے کیسے تکلیف کی۔“ فریدی مرد سے کہہ کر لڑکی کو گھورنے لگا۔ لڑکی نے شرما کر سر
جھکا لیا۔

”ایک لمبی کہانی ہے۔“ مرد نے کہا۔ لوگ مجھے پروفیسر نصیر کہتے ہیں اور یہ میری بیٹی رقیہ ہے۔
”اب دوسرا پروفیسر.....!“ فریدی زیر لب بڑبڑایا۔

”جی.....!“ نصیر چونک کر بولا۔ ”کیا میرا آٹنا گوار گذرا ہے آپ کو۔“
”قطعاً نہیں.....!“ فریدی نے خوش اخلاق بننے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ”معاف
کیجئے گا..... میں ایک دوسری بات سوچ رہا تھا۔“

”خیر.....!“ نصیر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”میں ایک مصیبت میں پھنس گیا ہوں، کیا آپ
میری مدد کریں گے۔“

”اس مصیبت کی نوعیت معلوم کئے بغیر میں بھلا کیونکر وعدہ کر سکتا ہوں۔“

”کوئی نامعلوم شخص نرمی طرح میرے پیچھے پڑ گیا ہے۔ کل رات اس نے میرے کمرے میں جو میں نے میز پر رکھا ہے، آگ لگا دی..... میں آپ سے کیا عرض کروں کہ میرا کتنا نقصان ہوا۔“

”یہ تو بالکل سیدھا سادہ معاملہ ہے..... آپ نے کو تو اسی میں اس کی رپورٹ کی یا نہیں۔“

فریدی نے پوچھا۔

”جی ہاں کر تو دی ہے، لیکن میں یہاں کی پولیس کے بارے میں کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا۔“ نصیر نے کہا۔

”میرے خیال سے آپ غلطی پر ہیں۔“ فریدی بولا۔

”ہو سکتا ہے.....!“ نصیر نے کہا۔ ”تو کیا آپ میری مدد نہ کریں گے۔“

”میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں آپ کی مدد کیسے کر سکتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔

”لیکن آپ لوگ ضرور مجھے ایک معاملے میں مدد دے سکتے ہیں۔“

”ہم لوگ.....!“ نصیر چونک کر بولا۔ ”بھلا وہ کیسے۔“

”کل رات ایک آدمی نے میرے سرکاری کاغذات کا فائل پھاڑ ڈالا اور ایک سونے کی گھڑی چرائے گیا..... اسے رقیہ صاحبہ اچھی طرح جانتی ہیں۔“

”میں.....!“ رقیہ تقریباً پھلتے ہوئے بولی۔

”جی ہاں.....!“ فریدی نے جیب سے تصویر اور خط نکالتے ہوئے کہا۔ ”اس کے ثبوت

میں میرے پاس یہ چیزیں ہیں۔“

فریدی نے تصویر اور خط رقیہ کی طرف بڑھادیے۔

رقیہ کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

”یہ خط میں نے ساجد کو لکھا تھا اور تصویر بھی اسی کے پاس تھی۔ یہ آپ تک کیسے پہنچی۔ کل

میں نے اُسے ہوٹل میں بلایا تھا لیکن پھر کسی وجہ سے میں اس کا انتظار نہ کر سکی اور اس کے نام ایک

معذرت نامہ لکھ کر منیجر کے پاس چھوڑ گئی تھی۔“

”جی ہاں..... ہم لوگوں کو ایک ضروری کام یاد آ گیا تھا اور ہمیں اسی سلسلہ میں ہوٹل

سے باہر آتا پڑا..... اور واپسی پر میں نے اپنے کمرے کو خاک کا ڈھیر پایا۔“
 ”کیا آپ براہ مہربانی یہ بتائیں گے کہ یہ تصویر اور خط آپ تک کس طرح پہنچے۔“ لڑکی بے
 چینی سے بولی۔

”جی ہاں.....!“ فریدی بولا۔ ”کل رات کو میں اپنے چند دوستوں کے ساتھ میٹرو میں
 کھانا کھا رہا تھا دفعتاً ایک شریف صورت نوجوان نشے میں لڑکھڑاتا ہوا نظر آیا۔ ایک دوسرا شخص اس
 کے ساتھ زیادتیاں کر رہا تھا۔ میں نے تعرض کیا تو وہ مجھ سے اکڑ گیا۔ میں نے اسے پولیس کے
 حوالے کیا اور ازراہ ہمدردی اس نوجوان کو اپنے ساتھ گھر لیتا آیا کیونکہ وہ بُری طرح ہوش
 تھا۔ میں نے سوچا کہ ہوش میں آنے کے بعد اس سے اس کے گھر کا پتہ معلوم کر کے بھیجو دوں گا۔
 وہ صورت سے بے حد شریف معلوم ہوتا تھا اور شاید اس نے پہلی بار پی تھی۔“

”ساجد..... ساجد تو کبھی نہیں پیتا تھا۔“ لڑکی نے کہا۔ ”آپ کا خیال درست معلوم ہوتا ہے۔“
 ”میں نے گھرا کر اسے احتیاط سے لٹا دیا کیونکہ وہ راستے ہی میں بالکل بیہوش ہو گیا تھا۔ ہم
 لوگ اسے کمرے میں چھوڑ کر دوسرے کمرے میں جا بیٹھے کیونکہ اس کی حالت سے صاف ظاہر
 ہو رہا تھا کہ وہ صبح سے پہلے ہوش میں نہیں آسکتا۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد مجھے یاد آیا کہ میں اپنی
 گھڑی اسی کمرے میں چھوڑ آیا ہوں۔ مجھے وقت دیکھنا تھا اس لئے میں اس کمرے میں گیا۔ لیکن
 میری حیرت کی کوئی انتہاء نہ رہی جب میں نے کمرے کو خالی پایا۔ میرے بہت سے سرکاری کاغذات
 کے ٹکڑے فرش پر بکھرے ہوئے تھے اور گھڑی میز سے غائب تھی۔ ہم نے اسے تلاش کرنا
 شروع کیا لیکن بے سود۔ گھڑی کی تو خیر کوئی ایسی پریشانی نہ تھی، لیکن سرکاری کاغذات..... اس
 نے مجھے بڑی مشکل میں پھنسا دیا۔ ہاں تو تھوڑی دیر بعد جب عقل ٹھکانے آئی تو میں نے محسوس
 کیا کہ وہ اپنا کوٹ لے جاتا بھی بھول گیا ہے اور اس کے جوتے بھی وہیں پڑے ہوئے تھے۔ اسی
 کوٹ کی اندرونی جیب میں آپ کی تصویر اور خط بھی برآمد ہوئے۔ اتفاق سے اس وقت میرے
 ایک دوست پروفیسر جاوید جنہیں اب دشمن ہی کہنا مناسب ہو گا موجود تھے۔ انہوں نے تصویر
 دیکھتے ہی آپ دونوں کا نام لیا۔ ہم لوگ فوراً ہی آپ سے ملنے کے لئے روانہ ہو گئے اور اس وقت
 پہنچے جب کہ آپ کا کمرہ شعلوں میں گھرا ہوا تھا۔ ہمیں وہاں تھوڑی دیر لگ گئی۔ اس کے بعد ہم نے
 سوچا کہ اس آدمی سے چل کر سوالات کئے جائیں جسے ہم نے پولیس کے حوالے کر دیا تھا۔ لیکن

وہاں جا کر معلوم ہوا کہ کوئی شخص میرے بھیس میں اُسے بھی نکال لے گیا۔“

فریدی خاموش ہو گیا۔ رقیہ اور نصیر حیرت بھری نگاہوں سے اُسے دیکھ رہے تھے۔

”مجھے اس کا صرف ایک مقصد معلوم ہوتا ہے۔“ فریدی بولا۔ ”میرے کاغذات کا پھاڑنا

جن کی عدم موجودگی میں میں مصیبتوں میں پھنس سکتا ہوں۔ یہ ایک اچھی خاصی سوچی سمجھی اسکیم معلوم ہوتی ہے۔ وہ شخص جو اسے تنگ کر رہا تھا اسی کا آدمی تھا، وہ اس طرح اسے میرے گھر پہنچانا چاہتا تھا۔ وہ شخص کاغذات پھاڑنے کی بعد دیدہ و دانستہ اپنا کوٹ چھوڑ گیا۔ تاکہ ہم لوگ اس میں سے تصویر اور خط پانے کے بعد آپ لوگوں سے ملنے جائیں اور پھر بد معاشوں نے آپ کے کمرے میں آگ لگادی تاکہ ہم لوگ وہاں کچھ دیر اور ٹھہریں اور وہ اپنے ہی آدمی کو آسانی سے رہا کر اسکیں، جسے ہم نے پولیس کے حوالے کر دیا تھا اور ان کا ایک گرگاپرو فیئر جاوید شروع سے آخر تک ہی ہمیں دھوکا دیتا رہا۔“

”پرو فیئر جاوید۔“ لڑکی نے حیرت سے کہا۔ ”مگر ابھی تو آپ ان کا تذکرہ اپنے دوست کی

حیثیت سے کر چکے ہیں۔“

”جی ہاں..... میری اور اس کی ملاقات کل دن میں ہوئی تھی۔ ہم دونوں چند ہی گھنٹوں

میں گہرے دوست بن گئے اور اسی نے مجھے اور میرے اسسٹنٹ کو میٹر و میں مدعو کیا تھا۔“

”لیکن آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ بھی بد معاشوں کا ساتھی ہے۔“ نصیر نے کہا۔

”ارے آپ ساتھی کہتے ہیں، وہ خود ایک بہت بڑا بد معاش ثابت ہوا۔ کیا آپ نے آج کا

اخبار نہیں پڑھا۔ جس میں یہاں کی پولیس کی نااہلی کی ایک داستان چھپی تھی۔“

”اوہ.....!“ نصیر اچھل کر بولا۔ ”ارے وہی پرو فیئر جاوید..... اور اس کا اصلی نام کیا

تھا۔ میں بھول گیا..... مادھو..... یا کیا.....؟“

”جی نہیں شکر.....!“ فریدی بولا۔

”شکر..... شکر.....!“ نصیر نے کہا اور اپنی بہتجی کو کڑی اور تیکھی نظروں سے گھورنے لگا۔

”اگر آپ میری تھوڑی سی مدد کر دیں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ وہ شخص بھی گرفتار ہو جائے

گا جس نے آپ کا کمرہ جلایا تھا۔“

”دیکھا تم نے اپنی حماقت کا انجام۔“ نصیر اپنی بہتجی کو مخاطب کر کے ناخوشگوار لہجے میں

ہوا۔ ”میں تم سے پہلے ہی کہتا تھا کہ ساجد اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا۔ لوگوں کی ظاہری صورت پر نہ جانا چاہئے۔ میری ہزاروں روپے کی کتابیں جل کر رہ گئیں، محض تمہاری حماقت کی وجہ سے۔“ رقیہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

”ارے..... ارے۔“ فریدی ہوا۔ ”رہنے بھی دیجئے پروفیسر صاحب۔ آدمی ہی سے غلطی ہوتی ہے۔ اب رونا فصول ہے، جو ہونا تھا ہو چکا۔ ان سب باتوں سے آپ کے نقصانات کی طمانی نہیں ہو سکتی۔“

فریدی نے رقیہ کی طرف اپنا رومال بڑھادیا۔ رقیہ رومال لے کر آنسو پونچھنے لگی۔ ”اگر آپ بُرا نہ مائن تو میں آپ سے کچھ سوالات کرنا چاہتا تھا۔“ فریدی نے رقیہ سے کہا۔ ”فرمائیے۔“ رقیہ گھٹی ہوئی آواز میں بولی۔

”ساجد کون ہے۔“

”میرا ایک دوست ہے۔“

”آپ کب سے اسے جانتی ہیں۔“

”ایک ماہ کا عرصہ ہوا..... وہ مجھے میٹرو میں ہی ملا تھا۔“

”اس کے گھر کا پتہ آپ کو معلوم ہے۔“

”جی ہاں..... نمبر ۳۰۳ پیٹر روڈ۔“

”اس کے ساتھ اور کون رہتا ہے۔“

”میں نے اُسے وہاں تنہا ہی دیکھا تھا۔“

”وہ کرتا کیا ہے۔“

”مصور ہے۔“

”میرا مطلب ذریعہ آمدنی سے ہے۔“

”مصور ی۔“

”جب تو یقیناً وہ غربت ہی میں زندگی بسر کرتا ہو گا۔“

”نہیں ایسا تو نہیں، اس کا بنگلہ نہایت شاندار ہے۔“

”تعب ہے..... یہاں کے آرٹسٹوں کو تو میں نے بھوکوں ہی مرتے دیکھا ہے۔“

”بہر حال وہ کسی طرح بھی غریب نہیں معلوم ہوتا۔“

”آپ کتنی بار اس کے گھر گئی ہیں۔“

”صرف ایک بار۔“

”اس کے چال چلن کے بارے میں آپ کچھ بتا سکتی ہیں۔“

”مجھے تو انتہائی شریف معلوم ہوتا ہے۔“

”اچھا اب اگر وہ کہیں دکھائی دے تو براہ کرم مجھے بذریعہ فون اطلاع دیجئے گا۔ حالانکہ اس کے امکانات کم ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”اچھا تو اب ہم لوگ اجازت چاہیں گے۔“ نصیر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”آپ نے ہماری ایک بڑی الجھن رفع کر دی۔ اگر مجھے ساجد دکھائی دیا تو فوراً آپ کو مطلع کروں گا۔“

رقیہ بھی کھڑی ہو گئی۔ فریدی انہیں برآمدے تک چھوڑنے آیا۔ ابھی اس کی کار لاٹن ہی پر کھڑی تھی۔

”آئیے آپ لوگوں کو ایک تماشہ اور دکھاؤں۔“ فریدی نے ان کو کار کی طرف لے جاتے ہوئے کہا۔

”آج مجھے قتل کر دینے کی کوشش کی گئی تھی۔ یہ ٹوٹے ہوئے شیشے دیکھئے اور یہ پہنئے۔ وہ تو کہنے کے میں ہمیشہ اپنے ساتھ دو عدد فالتو پیسے رکھتا ہوں ورنہ گھرنک پہنچنا مشکل ہو جاتا۔“

”یہ سب کیسے ہوا۔“ رقیہ بے ساختہ بولی۔

”شکر نے آج موٹر سائیکل پر میرا پیچھا کیا تھا۔ یہ سب اس کے ریوالور کی گولیوں کا کارنامہ ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ اس وقت میرے پاس ریوالور نہیں تھا ورنہ وہ بچ کر نہیں جاسکتا تھا۔“

”آپ کو تو ہر وقت اپنے پاس ریوالور رکھنا چاہئے۔“ نصیر بولا۔

”اب تو رکھنا ہی پڑے گا۔“ فریدی نے کہا۔

ابھی وہ لوگ گفتگو کر رہے تھے کہ حمید پھانک میں داخل ہوا۔ رقیہ کو دیکھ کر وہ کچھ جھجکا، لیکن قبل اس کے کہ وہ فریدی سے کچھ کہے، فریدی بول پڑا۔

”آؤ..... آؤ..... بھی حمید تمہیں چند دوستوں سے ملاؤں، سارا معمہ حل ہو گیا۔“

آپ لوگ دراصل میرے لئے فرشتہ رحمت ثابت ہوئے ہیں..... آپ ہیں پروفیسر نصیر اور

آپ مس رقیہ..... میرے ساتھی سار جنت حمید۔“

ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد فریدی ساری داستان سنا کر بولا۔ ”بس یہ سمجھ لو کہ وہ

مجھے گھس رہے تھے اور میں انہیں گھس رہا تھا۔“

”مگر آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ وہ لوگ آپ کی باتوں کو سچ ہی سمجھتے ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”تو یہ کب کہہ رہا ہوں۔“ فریدی بولا۔ ”وہ دونوں مجھے یو قوف ضرور سمجھ رہے تھے۔“

”کیوں.....!“

”کیونکہ میں نے ایک بالکل ہی الٹا پلاٹ ان کے سامنے رکھنے کی کوشش کی تھی، ظاہر ہے کہ وہ اپنی جگہ پر قطعی مطمئن ہیں کہ اگر وہ نہیں مارتا تب بھی ہمارے کسی کام نہیں آسکتا کیونکہ سچ جانے کی صورت میں اس کا پاگل ہو جانا یقینی ہے اور میں نے کاغذات پھاڑنے اور جوتے اور کوٹ چھوڑ کر بھاگ جانے کا فرضی واقعہ بتا کر انہیں اس کا اور بھی یقین دلادیا۔ بس یہ سمجھ لو کہ جس چیز کو میں نے ان کے سامنے سازش بنا کر پیش کیا ہے اسے وہ اس کے پاگل پن پر محمول کریں گے اور ان کا اس طرح بے باکی سے یہاں چلا آنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انہیں میرے دھوکے کھا جانے کا یقین پہلے ہی سے تھا اور اب میری گفتگو نے اس یقین کو اور زیادہ مستحکم کر دیا۔“

”خدا کرے ایسا ہی ہو..... مجھے یقین تو نہیں آتا۔“ حمید نے کہا۔

”خیر چھوڑو یہ بتاؤ کہ تم اس لڑکی سے عشق کرو گے یا میں ہی شروع کر دوں۔“

”بس مجھے تو معاف ہی رکھئے..... ابھی مرنے کو دل نہیں چاہتا۔“ حمید بولا۔

”بزدل.....!“

”چلے ہی سہی..... لیکن عورتوں کے چکر میں پھنس کر مرنے کو بہتر نہیں سمجھتا۔“

”تم کہاں سے رہے ہو۔“ فریدی نے کہا۔

”میں ابھی نہیں بتا سکتا۔“ حمید نے فریدی کے لہجے کی نقل اتارتے ہوئے کہا۔ ”اپنا طریقہ

کار متعین کر لینے کے بعد میں اکیلے ہی کام کرنا زیادہ بہتر سمجھتا ہوں۔“

فریدی ہنسنے لگا۔

”خیر..... خیر..... مجھے معلوم ہے آپ بہت بڑا تیر ماریں گے۔“ فریدی ہنس کر بولا۔

”میں آپ کے کاموں میں قطعی دخل نہ دوں گا..... فی الحال میرے ساتھ پیٹر روڈ چلے۔“

”پیٹر روڈ.....!“

”ہاں نمبر ۳۰۳، پیٹر روڈ.....!“

”کیا ملے گا آپ کو وہاں۔ آپ بھی ان لوگوں کی باتوں میں آگئے۔“ حمید نے کہا۔

”میں دراصل انہیں اس کا یقین دانا چاہتا ہوں کہ میں ان کے جال میں اچھی طرح پھنس

گیا ہوں۔“

”چلئے صاحب! لیکن میں یہ اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ یہ محض دھوکا ہے۔ آپ جج مجھ اس

لڑکی سے عشق کرنے لگے ہیں۔“

”چلو یہی سمجھ لو..... چار بج رہے ہیں۔ آؤ پہلے چائے پی لیں۔“

دو فائر ایک چیخ

فریدی کی کار تیزی سے پیٹر روڈ کی طرف جارہی تھی۔ انہیں ۳۰۳ نمبر کا بنگلہ ڈھونڈھ نکالنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ یہ ایک چھوٹا سا خوبصورت بنگلہ تھا، جس کے سامنے ایک مختصر سا پائیں باغ تھا۔ حمید اور فریدی باغ سے گذر کر برآمدے میں پہنچے۔ یہاں ایک بوڑھی عورت نے جو ملازمہ معلوم ہوتی تھی ان کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا۔ ”صاحب گھر پر موجود نہیں۔“

”کیا یہ ساجد صاحب کا بنگلہ ہے۔“

”جی ہاں..... لیکن وہ کل شام سے گھر نہیں آئے۔“ ملازمہ بولی۔

”کیا کہیں باہر گئے ہیں۔“

”اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔“

”کیا پہلے بھی اس طرح بغیر بتائے غائب رہے ہیں۔“

”اکثر ایسا ہو جاتا ہے۔“ بڑھیا اکتا کر بولی۔

”ساجد صاحب کرتے کیا ہیں۔“

فریدی کے اس سوال پر بڑھیا انہیں حیرت سے گھورنے لگی۔

”اگر آپ ان کے ملنے والوں میں سے ہیں تو.....!“

”نہیں ہمارا تعلق پولیس سے ہے۔“ فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔

”پولیس.....!“ وہ چونک کر بولی۔

”ہاں، ہم اس مکان کی طاشی لینا چاہتے ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”طاشی.....!“ بڑھیا تقریباً چھل کر بولی۔ ”مگر کیوں۔“

”پولیس کو ساجد صاحب پر پٹھہ شبہ ہے۔“

”اوہ..... مگر کس بات کا شبہ۔“

”ہم زیادہ باتیں نہیں کرنا چاہتے۔“

بڑھیا ہم گئی۔

”آؤ..... ہمارے ساتھ آؤ۔“ فریدی نے ایک کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

”یہاں اور کون رہتا ہے۔“

”صرف میں اور صاحب۔“

”ہوں.....!“

یہ غالباً ساجد کا اسٹوڈیو تھا، دیواروں پر چاروں طرف بڑی بڑی تصویریں لگی ہوئی تھیں اور
دو ایک نامکمل تصویریں ایزنلوں پر بھی تھیں۔

”تو ساجد صاحب تصویریں بناتے ہیں۔“ فریدی نے بڑھیا سے پوچھا۔

”جی ہاں۔“

”اور کوئی کام نہیں کرتے۔“

”جی نہیں۔“

”شاید کوئی اور آیا ہے۔“ بڑھیا نے باہر جاتے ہوئے کہا۔ ”میں ابھی آئی۔“

”دیکھ رہے ہو حمید ان تصویروں کو یہ سب رے فیل..... ڈاؤنچی اور رے برن وغیرہ کی
ر تصویروں کے چر بے ہیں اور یہ تصویریں اتنی عام ہیں کہ کوئی ان کی زیادہ قیمت نہیں دے
۔ لہذا ظاہر ہے کہ ایسی تصویروں کا بنانے والا اتنے ٹھاٹھ کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔“

حمید نے کوئی جواب نہ دیا، خاموشی سے تصویریں دیکھ رہا تھا۔
 ”اب دوسرا کمرہ دیکھنا چاہئے۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن وہ بڑھیا ابھی تک واپس نہیں
 آئی..... ذرا باہر جا کر دیکھو۔“

حمید باہر چلا گیا اور فریدی میزوں پر رکھے ہوئے کاغذات الٹنے پلٹنے لگا۔ تقریباً پندرہ بیس
 منٹ بعد حمید لوٹ کر آیا۔

”اس کا تو کہیں پتہ نہیں چلا۔“ حمید بولا۔

”شاید ڈر کر کہیں بھاگ گئی۔“ فریدی نے کہا اور اسٹوڈیو سے ملے ہوئے کمرے کا دروازہ
 کھول کر اندر چلا گیا۔ شاید ساجد کی خواب گاہ تھی۔ فریدی یہاں کی چیزوں کا جائزہ لینے لگا۔ دفعتاً وہ
 کسی چیز کی طرف لپکا۔

”اوہ.....!“ فریدی کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

حمید چونک کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ فریدی کے ہاتھ میں دفنی کا ایک ڈبہ تھا۔

”یہ کیا.....!“ حمید بولا۔

”کو کین.....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اس میز کی دراز سے برآمد ہوئی ہے۔ یہاں بھی

کئی ڈبے اور ہیں۔“

”حمید نے سارے ڈبے نکال کر فرش پر رکھ دیئے۔

”یہ کوئی بہت ہی منظم گروہ معلوم ہوتا ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”دوسرے کمرے میں کسی کی آہٹ معلوم ہو رہی ہے۔“ حمید نے کہا۔

”بکو مت..... میں جانتا ہوں۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔ پھر بلند آواز میں کہنے لگا۔ ”اتنی

مقدار میں کو کین کا برآمد ہونا واقعی خطرناک بات ہے۔ اب میں سمجھا کہ یہ لوگ کیوں میری جان

لینا چاہتے ہیں۔ مجھے راستے سے ہٹا دینے کے بعد وہ بہت اطمینان سے کو کین کی ناجائز تجارت -

کر سکیں گے۔ اوہ..... ٹھیک یاد آیا۔ میرے ان کاغذات میں ایک کو کین فروش کی انگلیوں

نشانات بھی تھے..... اُف میرے خدا۔“

”مگر وہ یہ سب چیزیں یہاں کیوں چھوڑ گئے۔ اس طرح تو انہوں نے اپنے خلاف بہت

ثبوت مہیا کر دیئے۔“

”بہت ممکن ہے۔“ فریدی بولا۔ ”وہ یہ سمجھے ہوں کہ رقیہ ہمیں رات ہی کو مل گئی ہو اور پولیس نے ہماری اطلاع پر بچنے کی نگرانی شروع کر دی ہو۔ بالکل ٹھیک ہے۔ اسی خوف سے وہ لوگ یہاں آکر ایسی چیزیں ہٹا رہے۔“

”اوہ.....!“ حمید بولا۔ ”ہم سے زبردست غلطی ہوئی کہ ہم اکیلے یہاں چلے آئے..... اگر وہ لوگ ہمیں یہاں گھیر کر ماریں تو۔“

فریدی حیرت سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

”تم ٹھیک کہتے ہو۔ بڑی زبردست غلطی ہوئی۔ آؤ چپکے سے نکل چلیں۔ یہ ڈبے اٹھالو۔“ حمید ڈبے اٹھانے کے لئے جھکا ہی تھا کہ ایک فائر ہوا اگر فریدی اتفاقیہ طور پر ذرا سانسہ بل گیا ہو تا تو کھوپڑی اڑ گئی تھی۔ اب وہ سنہلنے بھی نہ پائے تھے کہ دوسرا فائر ہوا اور اسٹوڈیو میں ایک چیخ سنائی دی۔ ساتھ ہی ساتھ کسی کے بھاگنے کی آواز آئی۔

فریدی اور حمید اپنے اپنے ریوالور نکال کر دروازے کی طرف جھپٹے۔

وہ اسٹوڈیو میں جانے کے بجائے دوسرے دروازے کے برآمدے میں نکل آئے۔

برآمدے میں سناٹا تھا۔ دونوں آہستہ آہستہ رینگتے ہوئے اسٹوڈیو کے دروازے پر آئے اور اندر کی طرف بھاگنے لگے۔ اسٹوڈیو میں سناٹا تھا۔

”اوہ یہ کیا.....!“ فریدی نے کہا اور تیزی سے اندر چلا گیا۔

ایک خوبصورت ساریوالور جس کا دستہ ہاتھی دانت کا تھا فرش پر پڑا ہوا تھا۔

”ارے..... یہ ریوالور یہاں کیسے آیا۔“ حمید بے ساختہ بولا۔ ”وہی بالکل وہی۔“

”کیا مطلب.....؟“

”اطمینان سے بتاؤں گا.....!“ حمید نے دروازے کی طرف جھپٹتے ہوئے کہا۔

”ٹھہرو.....!“ فریدی نے کہا اور زمین پر پڑے ہوئے ریوالور کی نال کو چنگی سے پکڑ کر

رومال میں لپیٹ لیا۔

فرش پر خون کی بوندیں نظر آرہی تھیں۔ وہ انہیں دیکھتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

برآمدے میں پہنچ کر پھر کہیں خون نہ دکھائی دیا۔ فریدی اور حمید ہاتھوں میں ریوالور لئے

بچنے کا چپہ چپہ تلاش کرتے پھر رہے تھے۔

”مشکل ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”ہم نے بہت دیر کر دی۔ مگر وہ دوسرا کون تھا..... جس نے ہم پر فائر کرنے والے پر پیچھے سے حملہ کیا۔“

”دوسرا.....!“ حمید ”جہانہ انداز میں بولا۔

”ہاں.....!“ فریدی نے کہا۔ تم نے چیخ کی آواز نہیں سنی تھی اور پھر وہ خون کی بوندیں اور دوسرا فائر آواز کے اعتبار سے پہلے سے نسبتاً دور کا معلوم ہوا تھا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی نے ہم پر وار کرنے والے پر پیچھے سے حملہ کیا۔

”اور پھر دونوں غائب ہو گئے۔“ حمید بولا۔ ”غیب معاملہ ہے سب کے سب غائب، وہ کم بخت بڑھیا بھی غائب۔“

”میرا خیال ہے کہ وہ بچ کچھ ہم سے ڈر کر غائب ہو گئی۔“ فریدی نے کہا۔

”آؤ چلیں..... مگر اس دوسرے فائر کرنے والے نے مجھے بہت زیادہ الجھن میں ڈال دیا ہے۔“

فریدی نے کوئین کے ڈبے اپنے قبضے میں کئے اور دونوں کار پر بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔

”ہاں تم ریوالور کے متعلق کچھ کہہ رہے تھے۔“ فریدی بولا۔

”آج میں نے یہ ریوالور ایک جگہ دیکھا تھا۔“

”کہاں.....؟“

”آج صبح جب آپ شکر کی تلاش میں نکل گئے تھے، میں میٹرو کی طرف چلا گیا۔ مجھے یہ

یقین تھا کہ اب وہاں پروفیسر اور رقیہ کی صورت نہ دکھائی دے گی، لیکن میں نے سوچا کہ احتیاطاً

دیکھ ہی لینا چاہئے اور وہاں پہنچ کر جب میں نے انہیں وہیں پایا تو میری حیرت کی کوئی انتہاء نہ رہی۔

میں ان کی نگاہوں سے چھپ کر ان کی نگرانی کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد رقیہ ہوٹل سے نکل کر

سڑک پر آئی اور ایک ٹیکسی کر کے ایک طرف روانہ ہو گئی۔ میں دوسری ٹیکسی پر اس کا تعاقب

کرنے لگا۔ وہ جیکب روڈ پر اتر کر والٹر روڈ کی طرف مڑ گئی۔ مجھے حیرت تھی کہ وہ اس سنان سڑک

پر کیا کرنے آئی ہے۔ اس پوری سڑک پر بمشکل تمام دو یا تین کوٹھیاں ہیں وہ انہیں میں سے ایک

میں گھس گئی۔ اس کوٹھی کی ظاہری حالت دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے جیسے یہاں بہت ہی لا پرواہ قسم

کے لوگ رہتے ہیں۔ اس کا پائیں باغ کیا ہے اچھا خاصا جنگل ہے، چار دیواری کے اندر جھاڑیاں ہی

جھاڑیاں نظر آتی ہیں۔ میں کوٹھی کی پشت سے احاطے میں داخل ہوا اور جھاڑیوں کی آڑ لیتا ہوا ایک

کمرے کی کھڑکی تک پہنچ گیا۔ وہ کمرہ خالی تھا۔ اسی کمرے میں میں نے ایک میز پر ایسا نئی ریو الور پڑا ہوا دیکھا تھا اور آپ جانتے ہیں کہ اس قسم کے خوبصورت ریو الور ہمیشہ خاص طور پر آرڈر دے کر بنوائے جاتے ہیں۔ میں بڑی دیر تک کوشش کرتا رہا کہ اس کے آگے بھی کچھ معلوم کروں، لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ دن کا وقت تھا اس لئے خوف بھی معلوم ہو رہا تھا کہ کہیں کوئی دیکھ نہ لے۔ مجبور آئیں وہاں سے یہ سوچ کر چلا آیا کہ رات میں آکر کچھ اور معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔

”تم نے بڑی عقل مندی سے کام لیا۔ تمہاری جگہ اگر میں ہوتا تو میں بھی یہی کرتا۔ اچھا آج رات کو دیکھا جائے گا۔“

”کیوں نہ اُن لوگوں کو گر فٹا کر لیا جائے۔“

”ابھی ہمارے پاس ان کے خلاف کوئی معقول ثبوت نہیں ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”اگر ساجد ہوش میں ہوتا تو یہ اتنی دشوار چیز نہ تھی۔ میرا ارادہ ہے کہ کل اسے کسی طرح راج روپ نگر ڈاکٹر شوکت کے پاس پہنچا دوں۔ اگر وہ کسی طرح اس کی دماغی حالت ٹھیک کرنے میں کامیاب ہو گیا تو ساری مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔“

”بہر حال ہمیں بہت احتیاط سے رہنے کی ضرورت ہے۔“ حمید بولا۔

”عجیب الجھا ہوا معاملہ ہے۔ ابھی تک مجرموں کا اصلی مقصد نہ معلوم ہو سکا۔..... اور پھر آج اس دوسرے فائر نے مجھے اور زیادہ چکر میں ڈال دیا ہے۔ آخر یہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔ اس کی اس حرکت کی وجہ سے قریب قریب میرا سارا پلانا چو پٹ ہو کر رہ گیا۔“

”سمال کیا آپ نے۔“ حمید نے کہا۔ ”ایک تو اس بیچارے کی وجہ سے جان بچ گئی اور وہی بُرا کہا جا رہا ہے۔“

”جان تو بچ گئی لیکن کام جو بگڑ گیا۔“ فریدی بولا۔

”وہ کیسے۔“

”یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ ہم لوگوں پر فائر نصیر ہی کی ٹولی کی طرف سے کیا گیا تھا اور ان لوگوں نے یہ اسکیم محض اس لئے بنائی تھی کہ اگر گولی نشانہ پر بیٹھی تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مجھ سے چھٹکارا ہی مل جائے گا اور اگر کامیابی نہ ہوئی تو ساجد کی طرف سے میرا شبہ اور زیادہ پختہ ہو جائے گا۔ لیکن اب اس دوسرے فائر کی وجہ سے ان لوگوں کا خیال بدل جائے گا۔ وہ یہی سمجھیں گے کہ

میرے ہی کسی آدمی نے ان کے آدمی پر گولی چلائی اور وہ بہت زیادہ محتاط ہو جائیں گے۔ میں نے انہیں دھوکا دینے کے لئے جو پلاٹ گھڑا تھا بیکار ہو گیا۔“

حمید کچھ سوچنے لگا۔

”ادھر کہاں جا رہے ہیں۔“ دفعتاً حمید بولا۔

”ٹھہرو..... آج کھانا وہیں کھائیں گے۔“ فریدی نے جواب دیا۔

تھوڑی دیر بعد ان کی کار میٹرو کے پھانک پر پہنچ گئی۔

رقیہ اور نصیر ایک میز پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ فریدی اور حمید کو دیکھ کر دونوں چونک پڑے۔

”آئیے انسپکٹر صاحب۔“ نصیر نے اٹھ کر فریدی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

فریدی اور حمید بھی وہیں بیٹھ گئے۔

”آخر اپنی راقصہ کے کمال نے آپ کو بھی کھینچ ہی لیا۔“ رقیہ فریدی سے بولی۔ ”میں نے

سنا ہے کہ آپ بہت خشک آدمی ہیں۔“

”نہیں ایسا تو نہیں۔“ فریدی نے ایسے رومانٹک انداز میں مسکرا کر جواب دیا کہ حمید کو

حیرت ہوئی۔

رقیہ فریدی کی نظروں کی تاب نہ لا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

فریدی کچھ اور کہنے ہی والا تھا کہ میرے نے آکر نصیر سے کہا کہ اسے کوئی ٹیلی فون پر بلا رہا

ہے۔ نصیر اٹھ کر چلا گیا۔

”آج سردی بہت زیادہ ہے۔“ فریدی نے رقیہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

”جی ہاں..... ہے تو.....!“ رقیہ بولی۔

”غالباً آپ کے پاس بھی ساجد کی تصویر ضرور ہوگی۔“ فریدی نے پوچھا۔

”جی ہاں ہے تو۔“

”آپ براہ مہربانی مجھے عنایت فرمائیں گی۔“

رقیہ اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے جنہیں وہ منہ دوسری طرف پھیر

کر پونچھنے لگی۔

فریدی نے حمید کو اشارہ کیا اور وہ کسی بہانے سے اٹھ کر وہاں سے ہٹ گیا۔

”مجھے افسوس ہے۔“ فریدی بولا۔ ”کہ میں نے پھر اس تذکرے کو چھین کر آپ کو دکھ پہنچایا۔ مگر کیا کروں مجبوری ہے۔۔۔۔۔ خیر آپ کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ آپ وقت سے پہلے آگاہ ہو گئیں۔ اُف میرے خدا ایک شریف اور عالی خاندان کی لڑکی ایک بد معاش کے چنگل میں۔۔۔۔۔ آپ کو اسے قطعی بھول جانا چاہئے۔“

فریدی بولتا رہا اور رقیہ یہ خیال کئے بغیر کہ وہ اس وقت مجمع میں بیٹھی ہوئی ہے آنکھوں پر رد مال رکھے سبکیاں لیتی رہی۔

اتنے میں نصیر آگیا۔

”ہائیں کیا بات ہے۔“ نصیر فریدی کو گھورتا ہوا بولا۔

”مجھ سے غلطی ہوئی۔۔۔۔۔ معافی چاہتا ہوں۔۔۔۔۔ مگر اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔“ فریدی نے کہا۔

”آخر بات کیا ہے؟“ نصیر تیز لہجے میں بولا۔

”مجھے ساجد کی تصویر کی ضرورت ہے۔ میں نے مس رقیہ سے پوچھا وہ رونے لگیں۔“

”آپ کو مجھ سے کہنا چاہئے تھا۔۔۔۔۔ آپ بھی کمال کرتے ہیں۔“ نصیر ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

”میں ایک بار پھر اظہارِ افسوس کرتا ہوں۔“

”تصویر آپ کو مل جائے گی۔“ نصیر بدستور نرم سامنے بتائے ہوئے بولا۔

”نرمانے کی بات نہیں نصیر صاحب۔۔۔۔۔ پانی اب سر سے اونچا ہو چکا ہے۔ مجرموں کو

گرفتار کرنے کے لئے مجھے سخت سے سخت قدم اٹھانا پڑنے گا۔“

”کیا مطلب۔۔۔۔۔!“ نصیر چونک کر بولا۔

”آج زندگی تھی جو ہم لوگ بچ گئے۔“

”آخر بات کیا ہے؟“

”آج میں نے زندگی میں شاید پہلی بار ایسی حماقت کی تھی۔“ فریدی نے کہا۔

”کچھ بتائیے بھی۔۔۔۔۔ خواہ مخواہ الجھن میں مبتلا کر رہے ہیں آپ۔۔۔۔۔!“

”آج ہم لوگ کوئی احتیاطی تدبیر کئے بغیر آپ لوگوں کے بتائے ہوئے چتے پر ساجد کے

بنگلے کی تلاشی لینے چلے گئے۔ ہمیں چاہئے تھا کہ ہم سب سے پہلے پولیس سے مدد لے کر بنگلے کا

مخاصرہ کر ادیتے۔“

”لیکن ہوا کیا.....؟“ نصیر بے صبری سے بولا۔

”جب ہم ایک کمرے سے کوئین کے ڈبے برآمد کر رہے تھے کسی نے پیچھے سے ہم پر گولی چلائی اور تو اور لطف یہ ہے کہ اس گولی چلانے والے پر بھی کسی نے دوسرا فائر کیا۔ جب ہم لوگ ادھر گئے جدھر سے فائر ہوئے تھے تو ہمیں کوئی بھی نظر نہ آیا۔ حتیٰ کہ ساجد کی بوڑھی ملازمہ بھی غائب تھی۔“

”بڑے تعجب کی بات ہے۔“

”اور سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ مجرم پر بھی کسی نے وار کیا۔“ فریدی بولا۔

”آپ کا کوئی دوست ہی ہو سکتا ہے۔“ نصیر نے کہا۔

”ناممکن..... اس معاملے کوئی الحال میرے اور حمید کے علاوہ کوئی اور نہیں جانتا..... یا

پھر آپ لوگ.....!“

”حیرت ہے۔“

”بہر حال جس نے بھی مجرم پر وار کیا بُرا ہوا..... اس سے وہ لوگ اور زیادہ محتاط

ہو جائیں گے اور نتیجے کے طور پر مجھے بہت زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔“

”آپ کا خیال درست ہے۔“ نصیر بولا۔

”آپ جانتے ہی ہوں گے کہ میرے ہاتھ میں بڑے بڑے کیس آئے لیکن مجھے کبھی

اتنی پریشانی نہیں اٹھانی پڑی۔“ فریدی بولا۔

”میں آپ کو ہر ممکن مدد دینے کے لئے تیار ہوں۔ تصویر آپ کو مل جائے گی۔ کم بخت نہ

جانے کیوں ہم لوگوں کے پیچھے بھی پڑ گئے ہیں۔“

فریدی اور حمید کھانا کھا کر واپس آ گئے۔



عشق

فریدی نے دوسرے ہی دن ساجد کو ایک بند گاڑی میں سوار کرا کے راج روپ نگر پہنچا دیا۔ ڈاکٹر شوکت کے لئے اس قسم کا کیس بالکل نیا تھا۔ لیکن اس نے فریدی سے اچھے تعلقات ہونے کی بناء پر اس کا علاج کرنا منظور کر لیا لیکن اس نے یہ وعدہ نہیں کیا کہ وہ کتنے عرصے میں اسے ٹھیک کر سکے گا۔

اسی دن شام سے فریدی نے محسوس کرنا شروع کیا کہ اس کا پیچھا کیا جا رہا ہے..... وہ جب بھی باہر نکلتا کسی نہ کسی آدمی کو اپنے تعاقب میں ضرور پاتا۔

اس کیس میں سچ بچا اسے دانتوں پسینہ آ گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مجرموں کو کس طرح قابو میں لائے۔ حملہ آور کا پتہ تو اس نے محفوظ کر لیا تھا لیکن اس کے دستے پر بھی اسے کسی قسم کے نشانات نہ مل سکے۔ اس اندھیرے میں اسے امید کی صرف ایک ہی کرن دکھائی دیتی تھی اور وہ ساجد کی ذات تھی، لیکن کبھی کبھی وہ اس طرف سے بھی مایوس ہو جاتا تھا کیونکہ یہ ضروری نہیں تھا کہ اس کی دماغی حالت درست ہی ہو جائے۔

ایک مجرم کا ریوالور بھی اسے دستیاب ہو گیا تھا اور یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ وہ کہاں دیکھا گیا تھا۔ اس نے کئی بار سوچا کہ مجرموں کو گرفتار کرا دے، لیکن پھر خیال آیا کہ ان کے خلاف ثبوت کہاں سے مہیا کرے گا۔ بہر حال وہ سخت الجھن میں تھا کہ کیا کرے۔

سب سے زیادہ حیرت اُسے مجرموں کی دیدہ دلیری پر تھی۔ بعض اوقات تو اسے محسوس ہونے لگتا تھا کہ جیسے اس نے قطعی غلط قدم اٹھایا ہو۔ جنہیں وہ مجرم سمجھ رہا ہے، وہ مجرم نہیں ہیں لیکن ہاتھی دانت کے دستے والا ریوالور اسے پھر اپنے پہلے ہی خیال پر لوٹ آنے کے لئے مجبور کر دیتا تھا۔

دوسری چیز جو اس کیلئے بالکل معمہ بن کر رہ گئی تھی مجرم پر فائز کرنے والے کی شخصیت تھی۔ اس بازی میں وہ اپنے جس مہرے پر بھی نظر ڈالتا اس کی پوزیشن کمزور ہی نظر آتی تھی۔ دفعتاً اس کے ذہن میں ایک نیا خیال پیدا ہوا۔ وہ خیال جو مزاح کی خاطر کئی بار حمید کے سامنے

دہراچکا تھا یعنی رقیہ پر ڈورے ڈالنا۔ اگر وہ کسی طرح قابو میں آگئی تو پھر بس کام بن گیا۔

اس معاملے پر پہلے سے زیادہ غور کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ اس سے بہتر اور کوئی طریقہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اس نے باقاعدہ رقیہ سے ملنا شروع کر دیا۔ لیکن وہ بھی پرلے سرے کی گھاگ تھی۔ کیا خیال کہ کہیں سے لغزش ہو جائے۔ فریدی کو اس معاملے میں بھی سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا..... لیکن وہ ہمت نہیں ہارا۔ دونوں میں کافی بے تکلفی ہو گئی تھی۔ مگر وہ مطلب کی باتوں پر صاف اڑ جاتی تھی۔

آج وہ فریدی سے ملنے کے لئے اس کے گھر آئی تھی، لیکن وہ گھر پر موجود نہ تھا اور حمید کہیں جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر اس نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔

کچھ دیر تک دونوں میں رسمی باتیں ہوتی رہیں پھر فریدی کے متعلق گفتگو چھڑ گئی۔ حمید نے محسوس کیا کہ فریدی کا نام لیتے وقت رقیہ کی آواز میں ایک عجیب قسم کا سیلاب پیدا ہو جاتا ہے۔

”ایک ایسا شخص جو دن رات محنت کرتا ہو، کافی دیکھ بھال چاہتا ہے۔“ رقیہ بولی۔

”جی ہاں..... میں ان کی کافی دیکھ بھال کرتا ہوں۔“ حمید بولا۔

”آپ.....!“ رقیہ بے اختیار ہنس پڑی۔

”کیوں..... اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔“

”کچھ نہیں..... ویسے آپ بھی خاصے عورت معلوم ہوتے ہیں۔“ رقیہ قہقہہ لگا کر بولی

اور حمید جھینپ گیا۔

”ممکن ہے آپ ٹھیک کہتی ہوں۔“ حمید جھینپے ہوئے لہجے میں بولا۔ ”مگر اس بات کا مجھے

یقین ہے کہ اگر میں ذرہ برابر بھی عورت معلوم ہوتا تو فریدی صاحب ایک منٹ کے لئے بھی

مجھے اپنے قرب و جوار میں برداشت نہ کر سکتے۔“

”اوہ تو کیا انہیں عورتوں سے نفرت ہے۔“ رقیہ بولی۔

”کبھی تھی لیکن شاید اب نہیں۔“

”کیا مطلب.....؟“

”میں نے آج تک ان کی زبانی کبھی عورتوں کا تذکرہ نہیں سنا لیکن آج کل وہ دن رات ایک

عورت کی شان میں قہیدے پڑھا کرتے ہیں۔“

”اچھا..... کون ہے وہ عورت.....!“

”یہ نہ بتا سکوں گا..... اگر فریدی صاحب کو خبر ہو گئی تو شاید مجھے زندہ ہی دفن کر دیں۔“

”انہیں معلوم ہی کیسے ہو گا۔“

”مجھے سخت حیرت ہے۔“ حمید اس کی بات سنی ان سنی کر کے بولا۔ ”وہ شخص جو محض فن

سراغ رسانی کی تکمیل کے لئے شادی تک سے گریز کرتا رہا ہو، وہ شخص جس کے سر پر ہر وقت

سراغ رسانی کا بھوت سوار رہتا ہو۔ وہ جسے اپنے فن کے علاوہ اور کسی چیز کی پروا نہ رہی ہو۔ ایک

عورت کے خیال میں اس طرح غرق ہو جائے کہ ایک معمولی سے مجرم کو بھی نہ پکڑ سکے، وہ شخص

جس نے لیونارڈ جیسے عالم گیر شہرت رکھنے والے آدمی کو چوہے کی طرح پھانس لیا۔ ساجد جیسے گناہ

آدمی کا پینہ لگا سکے، مجھے اس کی حالت پر رحم آتا ہے۔ واقعی عورت بڑی خطرناک چیز ہے۔“

حمید خاموش ہو گیا۔

”لیکن آخر وہ عورت ہے کون، جس نے ایسے پتھر کو موم کر دیا۔“ رقیہ بے تابی سے بولی۔

”کل رات..... میں ان کی حالت دیکھ رہا تھا..... وہ پاگلوں کی طرح سارے گھر میں

گھومتے پھر رہے تھے اور پھر میں نے انہیں بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر روتے دیکھا، اف

میرے خدا اکتادردناک منظر تھا۔ وہ شخص جو افلاطون کو سبق دینے کا دعویٰ رکھتا ہو، اس طرح بے

بس ہو جائے۔ بچوں سے بھی بدتر.... اف! اگر قانون کا ڈرنہ ہو تا تو میں اس عورت کو گولی مار

دیتا۔“ حمید کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔ آنکھیں حلقوں سے باہر ابلی پڑ رہی تھیں۔ وہ اس طرح

ٹہلنے لگا جیسے خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہا ہو۔

”خدا اربابا بھی دیجئے کہ وہ کون ہے۔“ رقیہ بے صبری سے بولی۔

”آپ نہ سن سکیں گی..... مگر نہیں آپ کو سننا ہی پڑے گا۔ وہ آپ ہیں..... صرف

آپ۔ آپ نے ان کی زندگی برباد کر دی۔ آپ ان کی شہرت کو پستیوں میں پھینکنے والی ہیں.....

خدا اران کے راستے سے ہٹ جائے۔ میں ان کی نفیات سے اچھی طرح واقف ہوں۔ ان کی

زندگی میں کسی عورت کا داخل ہونا ان کے لئے انتہائی خطرناک ہے۔ وہ کسی کام کے نہ رہ جائیں گے

اور اس سے ملک اور قوم کو جو نقصان ہو گا وہ ظاہر ہے۔ میں آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ ان کے

راستے سے ہٹ جائیے۔“

حمید خاموش ہو گیا۔ رقیہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ دفعتاً وہ مردہ آواز میں بولی۔
 ”میں کیا کر سکتی ہوں۔“

”ان سے ملنا چھوڑ دیجئے..... میں انہیں آپ کی بے وفائی کا یقین دلا کر کسی نہ کسی طرح
 راہ پر لے آؤں گا۔“

رقیہ خاموش رہی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے اندر دو متضاد قسم کے جذبوں میں جنگ
 جاری ہے۔ حمید اس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ ایک بار دونوں کی نظریں ملیں اور
 رقیہ نے سر جھکا لیا۔ وہ ناخن سے کرسی کا گلہ کرید رہی تھی۔ اس کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں پھوٹ
 آئی تھیں۔

دفعتاً قدموں کی آہٹ سنائی دی اور فریدی خون میں نہایا ہوا آکر ایک صوفے پر گر گیا۔ رقیہ
 کے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی۔

”یہ کیا ہوا.....!“ حمید بے اختیار چیخا۔

فریدی نے آنکھیں بند کئے ہوئے ایک ہاتھ اٹھا دیا۔ اس کی سانس تیزی سے چل رہی تھی۔
 اس نے آنکھیں کھولیں جن سے نقابت ظاہر ہو رہی تھی۔

”پانی.....!“ وہ اپنے پٹی سے بندھے ہوئے سر پر ہاتھ رکھ کر نقیہ آواز میں بولا۔
 حمید پانی لینے چلا گیا۔

”یہ کیا ہوا۔“ رقیہ صوفے کے قریب زمین پر دوزانو بیٹھتے ہوئے بولی۔ اس کے دونوں ہاتھ
 فریدی کے رخساروں پر تھے۔

فریدی کے چہرے پر نقابت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ اس کی انگلیوں کو آہستہ آہستہ
 سہلانے لگا۔ رقیہ کی آنکھوں میں آنسو جھلک آئے۔ جنہیں وہ منہ پھیر کر پی جانے کی کوشش
 کرنے لگی۔

”کئی آدمیوں نے گھیر لیا تھا۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔

اتنے میں حمید پانی لے کر آ گیا۔

”آدمیوں نے گھیر لیا تھا۔“ حمید نے چونک کر فریدی کا جملہ استفہامیہ انداز میں دہرایا۔
 ”مجھے افسوس ہے کہ..... میں ان کی شکل نہ دیکھ سکا۔“ فریدی رک رک کر بولا۔

”انہوں نے سیاہ نقاب پہن رکھے تھے، لیکن مجھے یقین ہے کہ ان میں ساجد ضرور تھا۔“
 ”ساجد.....!“ رقیہ حیرت سے بولی۔ لیکن پھر فوراً ہی سنبھل کر کہنے لگی۔ ”بہت ممکن ہے کہ وہ رہا ہو۔“

”لیکن یہ حادثہ کہاں ہوا۔“ حمید بولا۔

”والٹر روڈ پر.....!“

”والٹر روڈ پر.....!“ رقیہ پھر چونک کر بولی۔

”حمید تم فوراً کو تو ایلی جا کر پتہ لگاؤ کہ کسی حادثے کی اطلاع تو نہیں آئی، لیکن میرے متعلق کسی سے کچھ نہ کہنا۔“ فریدی نے کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔

حمید تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا۔ فریدی نے پھر آنکھیں کھولیں۔

”تم ابھی تک نہیں گئے۔“ وہ بولا۔

”میں آپ کو اس حال میں چھوڑ کر نہیں جاسکتا۔“

”تم جاؤ رقیہ ہیں تو میرے پاس۔“ فریدی نے کہا۔ رقیہ کہتے وقت اس کے لہجے میں بلا کا پیار آ گیا تھا۔ جسے رقیہ بھی محسوس کئے بغیر نہ رہ سکی۔

حمید چلا گیا۔

”آپ یہاں سے کہیں اور چلے جائیے۔“ رقیہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

”کیوں.....؟“

”یونہی آپ پر یہ دوسرا حملہ ہے۔“

”ہو گا..... میں اتنا بزدل نہیں ہوں۔ یہ اور بات ہے کہ میں کچھ دنوں سے خود کو احمق محسوس کرنے لگا ہوں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میری ذہانت کسی دیرانے کی دلدل میں پھنس کر آخری پچکیاں لے رہی ہے۔“

”یہ کیوں.....؟“

”میں نہیں جانتا۔“ فریدی نے رقیہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور پھر نظریں جھکا کر

ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

رقیہ کا چہرہ تھمتھا اٹھا تھا اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ پورا جسم کانپ رہا تھا۔ اس کی

آنکھوں سے دو موٹے موٹے قطرے ڈھلک کر رخساروں پر بہ چلے۔

”تم رورہی ہو۔“ فریدی اس کا ہاتھ دباتے ہوئے پیار بھرے لہجے میں بولا۔

”مجھے افسوس ہے..... لیکن میں ساجد کو کسی طرح قانون کی گرفت سے نہ بچا سکوں گا۔

معاملہ میرے ہاتھوں سے بہت دوز چاچکا ہے۔“

”ساجد.....!“ وہ اس طرح بولی جیسے خود سے باتیں کر رہی ہو۔ ”جہنم میں گیا ساجد۔

میں مجبور تھی..... میں ان غلطیوں سے تنگ آگئی ہوں۔ میں اب اس گندگی میں نہیں رہ سکتی۔

موت صرف موت مجھے سکون دے سکے گی۔ چوتھا خون آف میرے خدا..... چوتھا خون۔“

”کیا مطلب.....؟“ فریدی اٹھتے ہوئے بولا۔

رقیہ نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے پھر لٹا دیا۔

”تمہارا خون..... لیکن اب مجھ سے نہ ہو سکے گا۔ ہرگز نہ ہو سکے گا۔ تم سنتے ہو۔“ رقیہ

فریدی کے سینے پر سر رکھ کر بے اختیار پھوٹ پڑی۔

”دُرو نہیں..... صاف صاف بتاؤ..... کیا بات ہے..... جب تک میں زندہ ہوں

کوئی تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔“

”میں موت سے نہیں ڈرتی..... مجھے تو اب مر ہی جانا چاہئے۔ لیکن میں اب یہ کسی طرح

گوارا نہیں کر سکتی کہ چوتھی موت کا ذریعہ بنوں۔ میں اب اپنے ضمیر کو دھوکہ نہیں دے سکتی۔

حالانکہ اسے میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ اس کی سزا موت ہوگی۔“

”شاید تم بہت زیادہ پریشان ہو۔“ فریدی بولا۔ ”تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔“

”میں بالکل ٹھیک ہوں..... شاید آپ اسے ہڈیاں سمجھ رہے ہیں..... میں قطعی ہوش

میں ہوں۔“

”نہیں ساجد کی حرکت نے تمہارے ذہن پر بہت بُرا اثر ڈالا ہے۔“

”ساجد.....!“ وہ چونک کر بولی۔ ”اوروں کی طرح اس کی بھی ہڈیاں تک گل گئی ہوں گی۔“

”میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔“

”ساجد سے پہلے بھی دو آدمیوں کو موت کے دروازے تک پہنچا چکی ہوں۔“

”غالباً تمہارا اشارہ ان دونوں کی طرف ہے جن کی لاشیں میرے پھانگ پر پائی گئی ہیں۔“

”ہاں..... اور یہ بات آج تک میری سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ لاشیں آپ کے پھانگ پر کیوں پھینکوائی گئیں۔“

”مگر ان کی موتیں تو قدرتی حالات میں ہوئی تھیں۔“ فریدی بولا۔

”بالکل غلط.... میں اس پر یقین نہیں کر سکتی۔ لیکن یہ بھی وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتی کہ ان کا خاتمہ کس طرح کیا گیا۔“

”مگر وہ تھے کون۔“

”میں یہ نہیں جانتی..... ایک بار وہ تینوں اکٹھا دکھائے گئے تھے..... اور کہا گیا تھا کہ میں ان تینوں کو الگ الگ اس طرح پھانسون کہ ایک دوسرے کو اس کی خبر نہ ہونے پائے۔“

”پھر.....!“

”میں نے انہیں پھانس کر باری باری موت کے دروازے تک پہنچا دیا۔ میرا بس اتنا ہی کام تھا کہ ان کے متعلق اچھی طرح واقفیت بہم پہنچا کر انہیں نصیر تک پہنچا دوں۔“

”نصیر.....!“ فریدی حیرت سے بولا۔ ”کیا تم اپنے چچا کو نام لے کر مخاطب کرتی ہو۔“

”چچا.....!“ رقیہ ایک زہریلی ہنسی کے ساتھ بولی۔ ”چچا..... ہاں وہ میرا ایسا چچا ہے کہ اکثر شراب کے نشے میں مجھے نگلی ہو کر تانے کو کہتا ہے۔“

”اوہ.....!“

”میں ان سب کی محبوبہ ہوں۔“ رقیہ بے باکی سے بولی۔ ”ان کے چکر میں پھنسی ہوئی ایک مجبور عورت۔“

”تو کیا وہ کئی ہیں۔“

”آٹھ.....!“

”اور نصیر ان کا سردار ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”نہیں وہ بھی انہیں میں سے ایک ہے۔“ رقیہ بولی۔ ”سردار وہ ایک بہت بھیاک آدمی ہے۔ ایک خطرناک بوڑھا جو ہمیشہ اپنا چہرہ نقاب سے چھپائے رہتا ہے اور شاید صرف میں ہی یہ جانتی ہوں کہ وہ ایسا کیوں کرتا ہے۔ ایک بار میں نے اسے اتفاقاً بے نقاب دیکھ لیا تھا..... اف میرے خدا اکتا بھیاک چہرہ تھا۔ اس کے چہرے پر ناک کی جگہ پر ایک بڑا غار ہے..... اس غار سے

اس کا حلق تک دکھائی دیتا ہے۔“

”اوہ.....!“ فریدی اچھل کر بولا۔

”صرف سن کر ہی آپ خوفزدہ ہو گئے۔ میرا خیال ہے کہ اگر دیکھ لیں تو.....!“

”اور وہ والٹر روڈ کی کوٹھی نمبر تین میں رہتا ہے۔“ فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔

”آپ کو کیسے معلوم ہوا۔“ وہ حیرت سے بولی۔

”مجھے سب کچھ معلوم ہے۔“

”تو پھر آپ ساجد.....!“

”تم لوگ مجھے دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے تھے اور میں تمہیں۔“

”تو یہ سب محبت.....!“

”ہاں ہاں..... یہ بالکل ٹھیک ہے۔“ فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ ”میں پہلی ہی نظر

میں پہچان گیا تھا کہ تم کوئی شریف لڑکی ہو اور ان کے چنگل میں پھنس گئی ہو۔ مجھے تم سے اتنی

ہمدردی اور محبت ہے جتنی کہ ایک بھائی کو ایک بہن سے ہو سکتی ہے۔ میں اس عرصے میں تمہاری

لئے بہت زیادہ پریشان رہا۔“

رقیہ حیرت سے اس کا منہ دیکھ رہی تھی۔

”خیر مجھ جیسی آبرو باختہ کسی شریف آدمی کی بہن بننے کے لائق نہیں۔“

”کیوں نہیں..... کیوں نہیں۔ تم میری بہن ہو..... اور میں تمہیں پہچانے کے لئے ہر

ممکن طریقہ اختیار کروں گا۔“

”مجھے اب زندگی کی ضرورت نہیں..... مجھے زندگی کے نام سے بھی نفرت ہو چکی

ہے۔“ رقیہ بولی۔

”نہیں تمہیں جینا چاہئے..... ہمت ہارنا بزدلی ہے۔“ فریدی بولا۔ ”ہاں یہ تو بتاؤ کہ ساجد

کے گھر میں مجھ پر گولی کس نے چلائی تھی اور اس کی نوکرانی کا کیا ہوا۔“

”آپ پر گولی چلانے والا انہیں میں سے ایک تھا اور نوکرانی کے متعلق میں کچھ نہیں جانتی۔“

”اور وہ شخص جس نے مجھ پر فائر کرنے والے پر گولی چلائی تھی۔“

”اس کے متعلق بھی میں کچھ نہیں جانتی۔“

”وہ تین آدمی کس قصور پر مارے گئے۔“

”مجھے اس کی بھی اطلاع نہیں۔“

”شکر کے بارے میں بھی تمہیں کچھ معلوم ہے۔“

”ہاں..... اس کی اور آپ کی جنگ کا پروگرام نصیر ہی کا بنایا ہوا تھا۔“

”کیوں.....؟“

”تاکہ آپ دونوں الجھ کر رہ جائیں اور وہ اطمینان سے اپنا کام کر سکیں۔“

”اور وہ کام کیا ہے۔“

”یہ مجھے نہیں معلوم۔“ رقیہ بولی۔ ”لیکن اتنا جانتی ہوں کہ وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ انہوں

نے آپ کو غلط راستے پر ڈال دیا ہے اور مجھے حکم ملا ہے کہ آپ کو اپنے حسن کے جال میں پھنساؤں۔

شاید وہ ان تینوں کی طرح آپ کی بھی جان لینا چاہتے ہیں۔ لیکن اب مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا۔“

”خیر اب وہ میرے ہاتھ سے بچ نہیں سکتے۔“

”خدا کرے ایسا ہی ہو۔“ رقیہ بولی۔ ”آج رات والٹر روڈ کی کوٹھی میں وہ سب کسی خاص

مسئلے پر غور کرنے کے لئے اکٹھا ہوں گے۔“

”کیا تم بھی وہاں ہو گی۔“

”نہیں..... میرا ہوا انہیں! میں ہوٹل میٹروپولیٹن میں ہوں گی۔“

”ہاں اپنی رقیہ کا قاصد کے متعلق بھی کچھ جانتی ہو۔“

”اس کا تعلق بھی گروہ سے ہے، لیکن یہ نہیں جانتی کہ تعلق کی نوعیت کیا ہے۔“

”وہ سب وہاں کس وقت اکٹھا ہوں گے۔“

”گیارہ بجے رات کو۔“

”ہوں..... اچھا تو اگر تم سرکاری گواہ بن گئیں تو میں تمہاری جان صاف بچاؤں گا۔“

”دیکھا جائے گا۔“ رقیہ بے دلی سے بولی۔

”اچھا وہاں..... وہ خطرناک بوڑھا بھی ہو گا۔“

”ہاں.....!“ رقیہ بولی۔ ”ان کا پروگرام اب یہاں سے کہیں اور جانے کا ہے۔ معلوم

نہیں کیوں اب تک رکے ہوئے ہیں۔“

”کوٹھی میں نوکر کتنے ہیں اور رات میں ان کے کہاں کہاں ہونے کے امکانات ہو سکتے ہیں۔“ فریدی نے پوچھا۔

”وہ سب مل کر آٹھ ہیں.... وہی دن میں معمولی نوکروں کے فرائض انجام دیتے ہیں۔“

”تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ سب گیارہ بجے ایک جگہ پر ہوں گے۔“

”ہاں..... اس قسم کی نشستیں عموماً ہال میں ہوتی ہیں۔“

”ہال کی سچویشن.....؟“ فریدی نے پوچھا۔

”عمارت کے وسط میں واقع ہے۔“

”کتے تو نہیں۔“

”ایک بہت ہی خطرناک قسم کا خرگیزہ ہاؤنڈ ہے جو رات میں عموماً کپاؤنڈ میں کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے۔“

”خیر اس کے لئے بارہ سگھے کے گوشت کا ایک ٹکڑا کافی ہو گا۔“ فریدی بولا۔

”کیا مطلب.....؟“

”اس نسل کا کتابارہ سگھے کے گوشت کی ہوا ایک میل سے سو گھ کر اس پر آتا ہے۔“

”تو کیا آج رات کو.....!“

”ہاں.....!“

”سردار بہت خطرناک آدمی ہے۔“

”میں جانتا ہوں مجھے اس کی سات پشت سے واقفیت ہے۔“

”فرض کیجئے کہ میں نے اس وقت بھی آپ کو دھوکہ دے کر آپ کی اسکیم معلوم کر لی

ہو۔“ رقیہ مسکرا کر بولی۔

”مجھے اطمینان ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں اس وقت تمہاری آنکھوں میں فرشتوں کی سی

معصومیت دیکھ رہا ہوں۔“

”خیر اب آپ آرام کیجئے۔“ رقیہ اٹھتی ہوئی بولی۔ ”شکار کرنے آئی تھی اور شکار ہو کر

جار ہی ہوں..... مگر مجھے..... یہ سودا مہنگا نہیں پڑا۔ میرا ضمیر مطمئن ہے۔“

رقیہ تھوڑی دیر کھڑی کچھ سوچتی رہی اور پھر باہر چلی گئی۔ فریدی نے اسے واپس بلانا چاہا

لیکن وہ پھانک سے نکل چکی تھی۔

کچھ دیر بعد حمید واپس آگیا۔ اس دوران میں فریدی نہا کر کپڑے تبدیل کر چکا تھا۔
 ”ارے.....!“ وہ فریدی کو دیکھ کر اچھل پڑا۔

”خیریت..... خیریت.....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”آپ کے سر کی پٹی.....!“

”اوہ.....!“ فریدی اپنے اچھے خاصے سر پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

”اور وہ زخم.....!“ حمید پھر بولا۔

”الف لیلیٰ کی داستان۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”صرف دوسرے غلوں کا خون کافی ہو گیا تھا اور رات کے کھانے پر ہمارے دسترخوان پر دو عدد مرغ مسلم ہوں گے۔“
 ”کیا مطلب.....؟“ حمید چونک کر بولا۔

”آج میں تم سے بہت خوش ہوں..... تم ایک اچھے اداکار بھی ثابت ہو سکتے ہو۔ آج تو تم نے کمال ہی کر دیا۔“ فریدی نے کہا۔

”ذرا نوازی ہے جناب والا کی..... ورنہ بندہ کس لائق ہے۔“ حمید مسکرا کر بولا۔

”مگر لائق بتائیے یہ کیا سہرا ہے۔ عقل کو سخت چچو تاب ہے۔ بندہ ہمہ تن اضطراب ہے۔ پردہ اس راز سے اٹھائیے کہ غنچہ دل کھلکھلائے اور گلشن حیات باصوت ہزاراں مثل باغ بہشت کے گلزار بے خزاں ہو۔“

”بس بس..... بکواس بندے..... آغا حشر کے شاگرد رشید۔“ فریدی ہنس کر بولا۔

”خاکسار تو صرف حضور والا کے دامنِ تلمذ سے وابستہ ہے۔“ حمید بولا۔

”بھئی ختم کرو یہ سب..... بس آج آخری معرکہ اور سر کرنا ہے..... اس کے بعد.....!“

”اس کے بعد آپ رقیہ سے شادی کر لیں گے۔“ حمید ہنس کر بولا۔ ”لیکن یہ تو بتائیے کہ

آپ نے یہ کیا سوانگ رچا رکھا تھا۔“

”جب میں نے دیکھا کہ تم نے لوہے کو کافی تپا دیا ہے تو میرے لئے فوراً ہی ضرب لگا دینے

کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں رہ گیا۔“

”تو کیا آپ ہماری گفتگو سن رہے تھے۔“ حمید بولا۔

”عجیب اتفاق ہے کہ میں ٹھیک اسی وقت یہاں پہنچا جب تم اسے میرے عشق کی داستان سنا

رہے تھے۔“

”وہ تو ویسے ہی کچھ کچھ راہ پر آچلی تھی۔ آخر یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔“ حمید بولا۔
 ”تم ابھی بالکل بدھو ہو۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”دن رات عورت عورت چلانا اور چیز
 ہے اور عورت کی فطرت کا مطالعہ اور چیز۔“
 ”بجائے شاد ہوا۔“ حمید منہ سکڑ کر بولا۔

”نرمانے کی بات نہیں، عورت سے قریب رہ کر تم ہر گز عورت کو نہیں پہچان سکتے۔
 کیونکہ تمہاری جذباتیت جو عورت کے قرب کی وجہ سے جاگتی ہے تمہیں اس کی فطرت کا مطالعہ
 نہیں کرنے دیتی۔ وہ اس کی کمزوریوں کو حسن اور آرٹ کلارنگ دے کر ان کی پردہ پوشی کرنے لگتی
 ہے۔ مثلاً کسی کا شعر ہے۔

معشوق کی چال میں جو لنگڑاپن ہے
 دل لینے کا یہ بھی ایک چلن ہے

مگر خیر..... لا حول ولا قوۃ..... میں شاعری پر کیوں اتر آیا۔ ہاں تو میں کیا کہہ رہا تھا۔“
 کہاں..... کچھ بھی تو نہیں آپ تقریباً ایک گھنٹے سے بالکل خاموش ہیں۔ حمید ہنس کر بولا۔
 ”خیر چلو یہی سہی..... ہاں یاد آیا تو..... دیکھو ہر عورت کی فطرت میں مامتا کا کچھ نہ کچھ
 جزو ضرور ہوتا ہے اور یہ مامتا اس وقت بڑی شدت سے جاگ اٹھتی ہے جب وہ کسی ایسے مرد کو
 تکلیف میں مبتلا دیکھتی ہے جس کا اس سے کچھ تعلق ہو۔ جب میں نے دیکھا کہ تم اسے میری محبت
 کا یقین دلانے کی کوشش کر رہے ہو اور وہ کچھ کچھ پسینہ بھی رہی ہے تو میں نے دو مرغوں کا خون
 کیا..... اور پھر..... تو تم جانتے ہی ہو..... اس کا رد عمل توقعات سے بڑھ کر نکلا۔ یقین
 رکھو کہ وہ مجرموں کے خلاف سرکاری گواہ کی حیثیت سے پیش ہو گی۔“

”اور پھر اس کے بعد.....!“ حمید دفعتاً بولا۔

”اور پھر وہ یہیں آکر میرے پاس رہے گی۔“

”اوہ تو یہ کہنے آپ سچ سچ.....!“ حمید جلدی سے بولا۔

”ہاں..... وہ سچ سچ مجھے اپنا بھائی سمجھے گی۔“ فریدی چپک کر بولا۔

”لا حول ولا قوۃ.....!“ حمید نے نرمانہ بنا کر کہا۔

”کیا مطلب.....؟“

”میں کچھ اور ہی سمجھا تھا۔“

”غلط سمجھے تھے آپ.....!“ فریدی نے کہا۔ ”اور ابھی تھوڑی دیر قبل آپ ہی نے رقیہ سے فرمایا تھا کہ میں فریدی کے آرٹ کا خون ہوتے نہ دیکھ سکوں گا۔ تم نے میری فطرت کے بارے میں اس سے بالکل ٹھیک کہا تھا۔ واقعی اگر کوئی عورت میری زندگی میں داخل ہو گئی تو میں بالکل بدھو ہو کر رہ جاؤں گا۔ یہ میری سب سے بڑی کمزوری ہے۔“

”آپ ایک بار تجربہ کر کے دیکھئے۔“

”خیر چھوڑو فضول باتوں کو“ فریدی بولا۔ ”آج رات کو والٹر روڈ والی کوٹھی پر چھاپہ مارنا ہے۔“
”وہ تو ٹھیک ہے..... لیکن ابھی سے آپ نے اپنی پٹیاں ناحق کھول دیں۔“ حمید نے کہا۔

”کیوں.....؟“

”اگر نصیر آگیا تو..... رقیہ نے آپ کے زخمی ہونے کا حال اسے ضرور بتایا ہو گا۔“
”ہرگز نہیں..... گفتگو کے اختتام تک رقیہ کو غالباً پورا پورا یقین ہو گیا ہو گا کہ یہ سب سوانگ ہے۔“

”یہ کیسے.....؟“

”اس لئے کہ خود اسی نے اس بات کا اقبال کر لیا کہ ساجد خود مظلوم تھا۔“
”اوہ..... لیکن..... شکر..... اس کے متعلق تو وہ لوگ ابھی تک یہی سمجھے ہوئے ہوں گے کہ وہ آپ کا دشمن ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اسے شکر ہی کی حرکت سمجھا ہو۔“
”بہت دور کی کوڑی لاتے ہو۔ واقعی مجھ سے غلطی ہو گئی۔ لاؤ پھر سے پٹیاں کس لوں۔ ہاں ایک بات تو بھول ہی گیا۔ تمہیں یہ سن کر حیرت ہو گی کہ اس گروہ کا سرغنہ ایک ایسا آدمی ہے جو تفریحا خون کیا کرتا ہے۔“

”وہ جون ۲۰۰۴ء میں یہاں سے بھاگ کر جرمنی چلا گیا تھا اور محض اپنی خونی پیاس بجھانے کے

لئے جرمنوں کے ساتھ اتحادیوں سے لڑ رہا تھا۔“

”آپ کا اشارہ جابر کی طرف تو نہیں ہے۔“

”بالکل اسی کی طرف ہے۔“

”آپ کو کیسے معلوم ہوا۔“

”زقیہ سے دوران گفتگو میں..... کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اس کی ناک کی جگہ ایک بہت بڑا غار ہے۔“

”ہاں..... میں نے اس کے متعلق دفتر میں کچھ کاغذات دیکھے تھے۔ مگر اس کے جرمی سے واپس آنے کی ہمیں کوئی اطلاع نہیں ملی۔“

”وہ بڑا گھاگ ہے..... اور انتہائی خطرناک بھی۔“

”خطرناک کہاں۔“ حمید ہنس کر بولا۔ ”وہ اب صرف ”خطر“ ہے..... اس کی ”ناک“ تو آتشک کھا گئی۔“

”خیر..... خیر..... الفاظ سے کھیلنے کا وقت نہیں، ہمیں ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔“

”یعنی.....!“

”کم از کم سو عدد مسلح آدمی درکار ہوں گے۔ تم میرا خط لے کر ایس۔ پی کے پاس چلے جاؤ۔“

”سو آدمی، کیا ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔“

”نہیں وہ صرف آٹھ ہیں۔“

”صرف آٹھ عدد کے لئے سو آدمی۔“

”ان پر تو اکیلا جا رہی بھاری ہو گا۔“ فریدی بولا۔ ”تم اسے نہیں جانتے۔ وہ کئی بار ہزاروں

کے مجمع میں گھر جانے کے باوجود بھی بچ نکلا ہے۔“

تھوڑی دیر بعد حمید پھر کو توالی کی طرف روانہ ہو گیا اور فریدی اپنے عجائبات کے کمرے میں جا گھسا۔

حملہ

رات حد درجہ تاریک تھی، سردی کی شدت سے والٹر روڈ پر آہستہ آہستہ ریچکے والے

کانشیلوں کے دانت بچنے لگے تھے۔ جب کوٹھی تھوڑی دور رہ گئی تو وہ سب فریدی کے اشارے پر دو دو تین تین کی ٹولیوں میں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد آگے بڑھنے لگے۔ فریدی آہستہ آہستہ چلتا ہوا کوٹھی کے پھانک کے قریب آیا۔ وہ تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر اپنے کاندھے پر لٹکے ہوئے تھیلے میں سے گوشت کا ایک بڑا سا ٹکڑا نکال کر پھانک کے اندر ڈال دیا۔

دو منٹ، تین منٹ، پانچ، دس لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا اور وہاں سے واپس لوٹ آیا۔ ”شاید آج انہوں نے کتے کو بند کر رکھا ہے۔ ورنہ اتنی دیر نہ لگتی۔“ اس نے حمید سے کہا۔ اتنی دیر میں پولیس کے سپاہی کوٹھی کے گرد حلقہ بنا کر آہستہ آہستہ سمٹنے لگے تھے۔ فریدی چہار دیواری کے اندر داخل ہو گیا۔ کوٹھی کی بعض کھڑکیوں سے روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے باہر سے کوٹھی کا چکر لگا ڈالا لیکن کسی قسم کی آہٹ سے بھی وہاں کی خاموشی نہ ٹوٹی۔ آخر اس نے سپاہیوں کو اشارہ کیا اور وہ سب بھی چہار دیواری کے اندر آگئے۔ کوٹھی کے اندر بھی بالکل سناٹا تھا..... پولیس کے سپاہی ہال کے گرد متعدد کمروں میں منتشر ہو گئے تھے۔

غالباً وہ سب ہال ہی میں ہیں۔“ فریدی نے آہستہ سے حمید کے کان میں کہا۔ اور پھر اچانک وہ سب ہال میں گھس پڑے۔ مگر..... ان میں سے کئی کے منہ سے بے اختیار چیخیں نکل گئیں۔ ایک بہت بڑی میز پر جس کے گرد بہت سی کرسیاں بڑی تھیں..... تین لاشیں نظر آئیں۔ ”اُف میرے خدا.....!“ فریدی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ”نکل گئے کم بخت۔“ ”ارے رقیہ..... اور ساجد کی نوکرانی۔“ حمید چیخا۔ دو تین سب انسپکٹر کچھ سپاہیوں کو لے کر کمپاؤنڈ میں پھیل گئے۔ پائیں باغ اور کوٹھی کا چپہ چپہ جھان ڈالا گیا لیکن مجرموں میں سے ایک کا بھی سراغ نہ مل سکا۔ ادھر ہال میں فریدی اور حمید چند سپاہیوں اور سب انسپکٹروں کے ساتھ لاشوں کا جائزہ لے رہے تھے۔

دفعتاً فریدی چیخا۔ ”اس میں ابھی کچھ کچھ جان باقی ہے۔“ ”مگر یہ ہے کون۔“ حمید نے پوچھا۔

”شکر.....!“ فریدی بولا۔ ”جلدی کرو..... اسے کسی طرح ہسپتال تک لے چلو۔“

حمید رقیہ کی لاش کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے سینے سے خون ابل کر کپڑوں میں جم گیا تھا۔ آنکھیں بند تھیں۔ چہرے پر زندگی کے آخری لمحات کے تشخ کے آثار باقی رہ گئے تھے اور خفیف سے کھلے ہوئے ہونٹوں سے موتی جیسے ننھے ننھے دانتوں کی جھلکیاں بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی انتہائی کرب کے عالم میں مسکرانے کی کوشش کر رہا ہو..... حمید لرز اٹھا۔

پولیس کے سپاہی زخمی شکر کو اٹھا کر باہر لے جا رہے تھے۔ لیکن فضول، برآمدے میں پہنچتے پہنچتے ہی اس نے دم توڑ دیا۔

تین لاشیں پولیس کی لاری میں لے جائی جا رہی تھیں۔ رقیہ شکر اور ساجد کی بوڑھی خادمہ کی لاشیں۔

فریدی خاموش تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے سکتہ ہو گیا ہو۔

رات کے تین بج گئے تھے، لیکن وہ ابھی تک اپنی لائبریری میں ٹہل رہا تھا۔ حمید ایک صوفے پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ دفعتاً وہ بولا۔

”سمجھ میں نہیں آتا کہ شکر ان لوگوں کے ہاتھ کس طرح لگ گیا۔“

”اوں.....!“ فریدی چونک کر بولا اور حمید کی طرف غور سے دیکھنے لگا۔ اس کے اس انداز سے معلوم ہو رہا تھا جیسے اس وقت وہ قطعی خالی الذہن ہو۔

”سنو.....!“ وہ بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ وہ عرصہ سے ان لوگوں کی قید میں تھا۔ اس دن ساجد کے بنگلے میں شکر ہی نے حملہ آوروں پر گولی چلائی تھی۔ اس کے بعد ان لوگوں نے اسے پکڑ لیا اور اگر وہ ان لوگوں کی قید میں نہ ہوتا تو آج میرے ہاتھ سے بچ کر جا بھی نہیں سکتے تھے۔“

”وہ کس طرح.....!“

”غالباً رقیہ نے نصیر سے میرے زخمی ہو جانے کا حال بتا دیا تھا۔ اسے اس پر شبہ ہوا ہوگا کیونکہ شکر بھی انہیں لوگوں کی قید میں تھا۔ اگر وہ ان کی قید میں نہ ہوتا تو وہ یہی سمجھتے کہ شاید شکر ہی نے اپنا بدلہ لینے کے لئے مجھ پر حملہ کیا ہو..... اور پھر تم نہیں جانتے کہ جابر کتنا چالاک آدمی ہے۔ خصوصاً عورتوں کی تورگ رگ سے واقف ہے۔ اس نے ساری باتیں رقیہ سے زبردستی اگلوای ہوں گی۔ لیکن ایک بات اب تک سمجھ میں نہیں آئی کہ شکر کو گرفتار کر لینے کے بعد بھی وہ

لوگ ہماری لاعلمی کا دھوکہ کس طرح کھاتے رہے کیونکہ یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ شکر نے ہماری حمایت میں ان کے آدمیوں پر گولی چلائی تھی ان کا مشکوک ہو جانا لازمی تھا۔
 ”بہت ممکن ہے کہ شکر نے یہ یقین دلانے کی کوشش کی ہو کہ اس کا نشانہ خود آپ تھے۔“
 حمید بولا۔

”ہو سکتا ہے، بہر حال اب کیا کیا جائے۔ اُف میرے خدا۔“ فریدی اس طرح بڑبڑایا جیسے خود سے باتیں کر رہا ہو۔ ”میں اس لڑکی کی موت کبھی نہ بھلا سکوں گا۔“
 ”ہم نے بہت دیر کر دی۔ اگر ہم سر شام ہی کوشش کرتے تو شاید اس کی جان بچ جاتی۔“
 حمید بولا۔

”اس صورت میں بھی شاید وہ ہمیں زندہ نہ ملتی..... اور ہمیں ایک خود کشی کے کیس سے دوچار ہونا پڑتا۔“
 ”کیا مطلب.....؟“

”تمہیں کو تو اہل میں چھوڑ کر میں سیدھا میٹرو گیا تھا۔ وہاں سے میں نے ان تین کمروں کی تلاشی لی جو نصیر نے کرائے پر لے رکھے تھے۔ ایک کمرے کی تلاشی لیتے وقت مجھے ایک خط ملا جو رقیہ نے میرے نام لکھا تھا“ فریدی خاموش ہو گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی شدت غم سے بھرائی ہوئی آواز کو درست کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔
 ”یہ لو.....!“ فریدی نے جیب سے خط نکال کر حمید کی طرف بڑھادیا۔

حمید خط پڑھنے لگا۔

”میں جانتی ہوں کہ تم انہیں ٹھکانے لگانے کے بعد میری تلاش میں ضرور آؤ گے، مگر میں دور بہت دور جا چکی ہوں۔ میرا طرزِ مخاطب تمہیں برا ضرور لگے گا مگر جب کہ میں مرنے جا رہی ہوں نہ جانے کیوں میرا دل چاہ رہا ہے کہ تمہیں ”تم“ کہہ کر مخاطب کروں، میں گنہگار اور بدکار ہوں، لیکن میں میں ہوں اور میری انفرادیت سے تمہیں کیا سروکار۔ میں تمہیں اپنا سمجھتی ہوں۔ یہ میرا فعل ہے۔ رقیہ کا فعل..... جو ان سب آلودگیوں کے باوجود بھی رقیہ ہی ہے۔ ہاں تو میں تمہیں اپنا سمجھتی ہوں، نہ جانے کیوں میرا دل چاہتا ہے کہ سارے خط میں صرف یہی جملہ بار بار دہراتی رہوں۔“

اس خط کو ختم کرنے کے بعد میں زہری لوں گی۔ حالانکہ تم نے مجھے بچا لینے کا وعدہ کیا ہے لیکن میں اس کی ہمت نہیں پاتی کہ اپنے اصلی روپ میں دنیا کے سامنے آسکوں۔

”تو کیا تم میری لاش پر آنسو بہاؤ گے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ تم میری لاش کو دیکھ کر آبدیدہ ہو جاؤ کیوں؟ یہ میں نہیں جانتی..... عجیب فضول سی خواہش ہے، کیا میں مرنے کے بعد تمہیں اپنے لئے آنسو بہاتا ہوا دیکھ سکوں گی؟

میں اچھی طرح سمجھتی ہوں کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو فریب دینے کے لئے اتنے قریب ہو گئے تھے، لیکن اس وقت جب میں اپنے دل کو ٹٹولتی ہوں تو مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میں اب تک خود کو فریب دیتی رہی ہوں۔ میں تمہیں کبھی شاہد، سمجھ اور ساجد کی طرح موت کا دروازہ نہ دکھا سکتی۔ گناہوں کی زندگی میں پڑنے کے بعد میرا دل پتھر ہو گیا تھا۔ اس میں کسی کے لئے خلوص کا شائبہ بھی نہ تھا لیکن نہ جانے کیوں تم سے ملتے ہی میں نے اپنا دل دوبارہ واپس پالیا۔ مجھے میرا عورت پن واپس مل گیا۔ انسانیت واپس مل گئی اور پھر اب تمہیں بتاؤ کہ میں تمہیں اپنا کیوں نہ کہوں۔

میں مرنے جا رہی ہوں مجھے ذرہ برابر بھی اس کا افسوس نہیں۔ مجھے موت سے ڈر محسوس نہیں ہو رہا ہے۔ خود کشی! یہ میرا آخری گناہ ہے۔ ایسا گناہ جو پچھلے سارے گناہوں کے نقوش مٹا دے گا۔ میں مجبور ہوں۔ وہ رقیہ جو تمہیں اپنا سمجھتی ہے۔“

حید کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے تھے۔

”اور پھر شاید وہ لوگ رقیہ کو کسی بہانے سے والٹر روڈ والی کوٹھی میں لے گئے۔“ فریدی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”میں زندگی بھر ان کا پیچھا کرتا رہا ہوں گا جب تک ان میں سے ایک ایک پھانسی کے تختے پر نہ پہنچ جائے گا۔ مجھے چین نہیں آسکتا۔“

فریدی بے تابانہ انداز میں ٹہلنے لگا۔

”مگر اس خط میں کوئی ایسی بات نہیں جو مجرموں کے کارناموں پر روشنی ڈال سکے۔“ حید بولا۔

”اوہ چھوڑو..... بھی..... میں اس وقت اس کے موڈ میں نہیں ہوں۔“ فریدی اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔

دیوانہ بولتا ہے

دوسرے دن صبح ہی صبح فریدی گھر سے نکل گیا۔ حمید نے اسے جاتے دیکھا۔ اس کے کوٹ کے کار میں ایک بڑا سا ترو تازہ گہرے سرخ رنگ کا گلاب لگا ہوا تھا۔ حمید کے الفاظ میں اس نے شاید اپنی زندگی میں پہلی بار اس قسم کی ”بد پرہیزی“ کی تھی۔ حمید کے ہونٹوں پر ایک المناک مسکراہٹ بچھل گئی۔ آج اس کا موڈ بھی بہت زیادہ خراب تھا۔ مرنے والی کا خط پڑھنے کے بعد اسے صحیح معنوں میں اس کے لئے مغموم ہونا پڑا تھا۔ اُسے سچ بچ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے کسی قریبی عزیز کی موت ہو گئی ہو۔

تقریباً دو بجے فریدی واپس آیا۔ اس کے چہرے پر ابھی تک فکر مندی کے آثار نظر آرہے تھے۔
”حمید..... فوراً چلو.....!“ فریدی بولا۔

”کہاں.....!“

”راج روپ نگر.....!“

”ڈاکٹر شوکت کے یہاں۔“

”خیریت.....!“

”زیادہ گفتگو کا موقع نہیں جلدی کرو۔“

و دونوں کار میں بیٹھ کر راج روپ نگر کی طرف روانہ ہو گئے۔

”ابھی تھوڑی دیر قبل مجھے ڈاکٹر شوکت کا پیغام موصول ہوا ہے۔“ فریدی بولا۔ ”غالباً

ساجد کی حالت کچھ سدھر گئی ہے۔“

”اوہ.....!“

”اب وہی ایک آخری کڑی ہمارے ہاتھ میں رہ گئی ہے۔“

”آپ نے کھانا کھایا۔“

”نہیں.....!“

”میں نے آپ کو اتنا پریشان کبھی نہیں دیکھا۔“ حمید بولا۔

”میرے سینے میں بھی دل ہے حمید۔ پتھر نہیں ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”رقیہ اگر خود کشی کرنے میں کامیاب ہو گئی ہوتی تو مجھے اتنا افسوس نہ ہوتا۔ اُف وہ اپنی مرضی سے مر بھی نہ سکی۔ معلوم نہیں کب سے وہ ان کے اشاروں پر ناچتی چلی آرہی تھی اور اس کی موت بھی انہیں کی مرضی کی پابند رہی۔ کیا یہ معمولی ٹریجڈی ہے۔ سنو حمید میں محض سراغِ رسانی کی مشین نہیں ہوں، میری نظر انسانی کمزوریوں اور مجبوریوں پر بھی رہتی ہے۔ میں جب بھی کسی مجرم کو قانون کے حوالے کرنے لگتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ کیا اب ہمیں مجرموں سے پناہ مل جائے گی۔ کیا مجرموں کو سزا دینے سے وہ بُرائی مٹ جائے گی جس میں مبتلا ہو کر یہ پھانسی کے تختے کی طرف آتے ہیں۔ اب تک کروڑوں قاتل سزائے موت پاچکے ہیں لیکن کیا اب قتل نہیں ہوتے۔ کیا مجرموں کی تعداد کم ہو گئی۔“

فریدی خاموش ہو گیا۔

”اس کا نہ تو ابھی تک کوئی حل دریافت ہوا ہے، نہ ہونے کی امید ہے۔“ حمید بولا۔

”اس کا حل شروع ہی سے موجود تھا، لیکن اس کی طرف کسی نے دھیان ہی نہیں دیا۔ یا اگر دھیان دیا بھی گیا تو محض تفریحِ طبع کے لئے۔ ذہنی برتری ظاہر کرنے کے لئے۔ یہ حل محض کاغذوں اور تقریروں کی زینت رہا۔

”تو آخر اس کا حل ہے کیا۔“

”نروں سے زیادہ بُرائی کی طرف دھیان دیا جائے۔ یہ سوچا جائے کہ آخر جرم کئے ہی کیوں جاتے ہیں۔ کیوں نہ سماجی زندگی کو اس معیار پر لایا جائے جہاں جرم کا سوال ہی نہ رہ جائے۔“

”مگر یہ کس طرح ممکن ہے۔“ حمید بولا۔

”ہم جو کچھ بھی کرتے ہیں اپنی آسودگی کے لئے کرتے ہیں۔ اگر سوسائٹی میں ایسے حالات پیدا کئے جائیں جن کے تحت ہم اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے آسانی سے جائز طریقے اختیار کر سکیں تو پھر ہمیں انہیں خواہشات کو آسودہ کرنے کے لئے ناجائز راستوں پر جانے کی ضرورت نہ پڑے گی۔“

”یہاں..... میں آپ سے متفق ہوں، لیکن ان حالات کا پیداکرنا امرِ محال ہے۔“

”دنیا میں کوئی چیز ناممکن نہیں..... صرف عزم اور ہمت چاہئے۔“ فریدی بولا۔

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ دراصل خواہ مخواہ اور بات کو بڑھانا بھی نہیں چاہتا تھا کیونکہ آج اس کا موڈ بھی کچھ اچھا نہ تھا۔ بہر حال یقیناً راستہ خاموشی ہی سے کٹ گیا۔

ڈاکٹر شوکت اور اس کی بیوی نجمہ ان کے منتظر تھے۔ وہاں پہنچ کر تھوڑی دیر تک رسمی باتیں ہوتی رہیں اس کے بعد فریدی اصل موضوع پر آگیا۔

”اب وہ قطعی ہوش میں ہے۔“ ڈاکٹر شوکت بولا۔

”کیا وہ اس قابل ہو گیا ہے کہ اس سے کچھ باتیں کی جاسکیں۔“ فریدی نے کہا۔

”ہاں ہاں، لیکن ابھی فی الحال اسے باہر نہیں نکال سکتا۔ کیونکہ ابھی تک اس کی صحیح بینائی واپس نہیں آئی، لیکن مجھے امید ہے کہ وہ جلد ہی صحت یاب ہو جائے گا۔“

”چائے کا وقت ہو گیا ہے۔“ نجمہ بولی۔ ”میرے خیال سے آپ پہلے چائے پی لیجئے پھر بقیہ

کام بعد میں بھی ہوتے رہیں گے۔“

”تو بھی جو کچھ بھی کرنا ہے جلدی کرو۔“ فریدی بولا۔ ”میں بہت زیادہ الجھن میں ہوں۔“

”کیوں..... کیا کوئی خاص بات۔“ شوکت نے پوچھا۔

فریدی نے اسے مختصر آسارے حالات بتا دیئے۔

”اوہ..... تو معاملہ بہت زیادہ سنگین ہو گیا ہے۔“ شوکت بولا۔

”بھئی یہ خطہ بھی عجیب ہے۔“ نجمہ نے کہا۔ ”آئے دن قتل کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں۔“

چائے کے دوران میں اسی کیس کے متعلق مختلف قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔

”ہاں تو بھئی اب مجھے اس سے گفتگو کرنی چاہئے۔“ چائے کے خاتمے پر فریدی بولا۔

یہ سب لوگ اٹھ کر ایک کمرے میں آئے، جو قریب قریب چاروں طرف سے بند تھا۔

کھڑکیوں پر سیاہ رنگ کے پردے پڑے تھے۔ ڈاکٹر شوکت نے احتیاط سے دروازہ کھولا تھا جیسے وہ

سورج کی روشنی کی ایک مدھم سی جھلک سے بھی کمرے کی تاریکی کو محفوظ رکھنا چاہتا ہو۔ یہاں

گہرے سبز رنگ کا ایک بلب روشن تھا۔ ساجد ایک صوفے پر نیم دراز تھا۔ انہیں آتا دیکھ کر اٹھنے لگا۔

”آپ بیٹھے..... کسی قسم کے تکلف کی ضرورت نہیں۔“ ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

ساجد بہت غور سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”فریدی صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں۔“ شوکت نے کہا۔

”بس کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔“

”شکریے کی ضرورت نہیں۔“ فریدی بولا۔ ”یہ تو میرا فرض تھا۔“

”اگر آپ نہ ہوتے تو شاید میرا بھی وہی حشر ہوتا، جو میرے دوسرے ساتھیوں کا ہوا۔“

”آپ کے ساتھی..... ہاں مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ بھی آپ کے ساتھ ہی تھے۔“

”جب ہمیں شاہد کی لاش ملی تھی تو ہم سخت الجھن میں پڑ گئے تھے کہ کیا کریں..... آخر ہم نے فیصلہ کیا کہ اسے آپ کے پھانک پر ڈال دیں۔“

”اوہ.....!“ فریدی اچھل کر بولا۔ ”تو کیا وہ لاش آپ لوگوں نے وہاں ڈالی تھی۔“

”جی ہاں.....!“ ساجد کچھ دیر رک کر بولا۔ ”اس کی بھی ایک خاص وجہ تھی۔“

”وہ کیا.....؟“ فریدی نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

”ہم نے سوچا کہ اگر ہم نے یہ معاملہ پولیس کے سپرد کر دیا تو ہمیں باقاعدہ طور پر پبلک کے سامنے آنا پڑے گا اور اس میں ہمیں اپنی جان کا خطرہ تھا۔ لہذا ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ ہم لاش کو آپ کے مکان کے سامنے ڈال دیں۔“

”لیکن سوال یہ ہے کہ آپ خود کو ظاہر کیوں نہیں کرنا چاہتے تھے۔“ فریدی بولا۔

”اس لئے کہ ہمیں اپنی جان کا خوف تھا۔“

”یعنی.....!“ فریدی بولا۔

”بہتر یہی ہو گا کہ میں آپ کو شروع سے بتاؤں۔“ ساجد نے کہا اور تھوڑی دیر تک کچھ سوچنے کے بعد پھر بولا۔ ”یہ بتائیے کہ اگر آپ کے سامنے کسی مردہ آدمی کی زندہ نقل آجائے تو آپ پر اس کا کیا اثر ہو گا۔“

”ساجد خاموش ہو کر سوالہ نگاہوں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

”کہتے چلے۔“ فریدی بولا۔

”میں شاید اور سبج بھٹی کی بندرگاہ پر اترے تو ہم نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جو برلن میں ہمارے سامنے ایذاں رگڑ رگڑ کر مر گیا تھا۔“

”تو کیا آپ لوگ جرمنی میں تھے۔“ فریدی بولا۔

”جی ہاں..... ہم لوگ وہاں فن مصوری کے بارے میں ریسرچ کر رہے تھے کہ جنگ

شروع ہو گئی اور ہم لوگ وہاں خود کو ایسی پوزیشن میں محسوس کرنے لگے، جو ایک ایسے چوہے کی ہو سکتی ہے جسے چوہے دان میں پھنس جانا پڑا ہو۔ وہاں بہت سے ہندوستانی تھے۔ سب کی حالت ابتر ہو رہی تھی۔ انہیں میں رنجیت نگر کا دلی عہد سنگرام سنگھ بھی تھا۔ ایک وقت آیا کہ وہ مفلوس جیسی زندگی بسر کرنے لگا اور اسی مفلسی کے عالم میں ہماری اور اس کی ملاقات ہوئی۔ ہم لوگ آرٹس تھے، اس لئے ہمارے اخراجات کسی نہ کسی طرح چل ہی جاتے تھے۔ اس سلسلے میں ہم نے ایسی ایسی حرکتیں کی ہیں کہ اب مجھے سوچ کر شرم محسوس ہوتی ہیں۔ ہم لوگوں نے ہندوستان کے مغل شہنشاہوں کے لباس میں بٹلر کی ایک تصویر بنائی تھی اور اس کے نیچے ”شہنشاہ ہند“ لکھ دیا تھا۔ ہم سے اس کی بے شمار کاپیاں بنوائی گئیں اور ہمیں ان کا اچھا خاصا معاوضہ ملا۔ انہیں کے سہارے ہم اپنے اخراجات چلاتے رہے۔“

ساجد پھر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

”ہاں تو آپ رنجیت نگر کے دلی عہد کا تذکرہ کر رہے تھے۔“ فریدی بولا۔

”جی ہاں۔“ ساجد نے پھر بولنا شروع کیا۔ ”ان دنوں ہم لوگ ایک گاؤں میں مقیم تھے، سنگرام سنگھ ہمیں وہیں ملا تھا۔ وہ ایک خوبصورت نوجوان تھا۔ شاید اسی بناء پر ایک جرمن طوائف نے اسے اپنے یہاں پناہ دے دی تھی، لیکن وہاں وہ خوش نہیں تھا۔ اسے کئی قسم کی خطرناک جنسی بیماریاں لاحق ہو گئیں۔ ایک ماہ کے اندر ہی اندر اس کا سارا جسم سڑ گیا اور آخر ایک دن اس نے ہمارے سامنے ہی دم توڑ دیا۔ وہاں ہمارے اور اس جرمن طوائف کے علاوہ ایک اور آدمی بھی تھا۔ وہ بھی ہندوستانی ہی تھا۔ لیکن اس کی شکل یاد کر کے آج بھی میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔“

”اُف کتنی بھیاںک شکل تھی، وہ اکثر سنگرام سنگھ کی زندگی میں بھی اس سے ملنے کے لئے آیا کرتا تھا۔ معلوم نہیں وہ دونوں دوست کس طرح بن گئے تھے۔ میرا خیال ہے کہ اگر کوئی مجھے ساری دنیا کی دولت دے کر بھی اس سے دوستی کرنے کے لئے کہتا تو میں تیار نہ ہوتا۔ اوہ..... میں شاید پھر بہک رہا ہوں..... ہاں تو میں کیا کہہ رہا تھا۔“

”نہیں آپ قطعی نہیں بہک رہے ہیں۔“ فریدی بولا۔ ”ہاں تو اس کی شکل کیسی تھی کہ

آپ اس قدر نفرت کا اظہار کر رہے ہیں۔“

”اوہ..... فریدی صاحب..... میں آپ سے کیا بتاؤں۔“ ساجد بولا۔ ”اس کی ناک کی

جگہ ایک بہت ہی بھیاںک قسم کا غار تھا جس سے اس کا حلق تک صاف دکھائی دیتا تھا۔ ایک بار اس کا چہرہ دیکھ کر پھر دوبارہ دیکھنے کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ اس کے بعد ہم لوگ ادھر ادھر مارے مارے پھرتے رہے۔

”اور وہ بھیاںک چہرے والا.....!“ فریدی نے کہا۔

”اس کے بعد سے میں نے پھر آج تک اسے نہیں دیکھا۔“ ساجد بولا۔

”ہاں تو کیا آپ نے بمبئی کے بندرگاہ پر سگرام کو دیکھا تھا۔“ فریدی بولا۔

”جی ہاں..... اس کی شکل سگرام سنگھ سے بہت ملتی جلتی تھی، البتہ اس کے ماتھے پر کچھ اس قسم کے نشانات تھے، جیسے وہ کبھی کسی حادثے میں شدید طور پر زخمی ہو گیا ہو۔ ہم لوگ اسے دیکھ کر چونک ضرور پڑے تھے لیکن ہم نے اس لئے اس چیز کو کچھ زیادہ اہمیت نہ دی تھی کہ دنیا میں ایک ہی شکل کے دو آدمیوں کو ہونا کوئی تعجب خیز بات نہیں، لیکن ہماری یہ لاپرواہی زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی کیونکہ ہم نے اتفاقاً اس کے سامان کے بندلوں پر اس کے نام کی چٹیں دیکھ لیں جن پر ”کنور سگرام سنگھ آف رنجیت نگر.....!“ لکھا ہوا تھا۔ اب ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، معاف ہمارے دل میں یہی خیال پیدا ہوا کہ یہ کوئی بد معاش ہے۔ جو رنجیت نگر والوں کو دھوکہ دینے جا رہا ہے۔ اس کے ساتھ کئی اور آدمی بھی تھے، جو اس کے مصاحب یا نوکر معلوم ہوتے تھے۔ ہم لوگوں نے تہیہ کر لیا کہ اس راز کو ضرور معلوم کریں گے، بندرگاہ سے وہ لوگ سیدھے ایک شاندار ہوٹل میں پہنچے۔ ہم لوگوں نے بھی اسی ہوٹل کا رخ کیا۔ وہاں ہمیں ایک کمرہ مل گیا۔ لیکن ہمیں وہاں سے بہت جلد ہی بھاگنا پڑا کیونکہ ایک بار کسی نے ہم لوگوں کی جان لینے کی کوشش کی۔ ہمیں ہوش آ گیا تھا۔ ہم سمجھ گئے کہ یہ انہیں لوگوں کی حرکت ہے۔ شاید انہیں ہم لوگوں پر شبہ ہو گیا تھا۔ ہم نے سوچا کہ خواہ مخواہ زندگی کو خطرے میں ڈالنے سے کیا فائدہ۔ پھر ہم لوگ یہاں آپ کے شہر میں چلے آئے۔ ہم لوگوں کو یہاں آئے ہوئے مشکل سے تین روز ہی ہوئے تھے کہ ایک دن میٹرو میں میری ملاقات رقیہ سے ہو گئی۔ اس کے حسن کا جادو مجھ پر پہلی ہی ملاقات میں چل گیا تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے روزانہ ملنے لگے۔ چند ہی دنوں میں اس نے مجھے اپنا سب کچھ سونپ دیا۔ اس نے مجھے قسم دی تھی کہ میں اس کا تذکرہ اپنے انتہائی دوست سے بھی نہ کروں۔ میں نے حقیقتاً ایسا ہی کیا۔ شاہد اور سیج کو اس کا علم نہ ہو سکا۔ حالانکہ ہمیں یہاں سے سیدھے اپنے گھروں کو پہنچنا

چاہئے تھا۔ لیکن میں نے قطعی ارادہ کر لیا تھا کہ فی الحال یہاں سے کہیں اور نہ جاؤں گا۔ جب میں نے اپنا ارادہ اپنے اور ساتھیوں پر ظاہر کیا تو انہوں نے بھی اس پر صاد کیا۔ مجھے حیرت تھی کہ آخر وہ دونوں اپنے گھروں کو کیوں نہیں چلے جاتے، بہر حال ہم لوگوں نے اپنے اپنے لئے کرائے کے مکان حاصل کر لئے۔ ابھی تک ہم لوگ ساتھ ہی رہتے آرہے تھے، لیکن یہ عجیب بات تھی کہ اب ہم میں سے ہر ایک الگ مکان لینے پر مصر نظر آ رہا تھا۔ مجھے تو اس پر خوشی ہوئی تھی کہ وہ میرے کسی دوست کے سامنے آنا نہیں چاہتی تھی۔ خیر مجھے اس سے کیا مجھے تو صرف اس سے مطلب تھا۔ اس کے حسن سے مطلب تھا۔ اس کی جوانی سے مطلب تھا۔

لیکن ایک دن سارے سرور و کیف کا خاتمہ ہو گیا۔ کیونکہ میں نے ان بد معاشوں میں سے ایک آدمی کو اپنے گھر کے گرد و نواح میں پکڑ لگاتے دیکھ لیا۔ میں نے اپنے دوستوں سے بھی اس کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ بالکل یہی واقعہ ان کے ساتھ بھی پیش آیا ہے۔ میں نے سوچا کہ اب یہاں سے بھی بھاگنا چاہئے۔ لیکن رقیہ کی محبت مانع ہوئی اور حیرت تو اس بات پر ہے کہ شاید اور سمجھ نے بھی کسی قسم کا خوف ظاہر نہ کیا۔

”ایک رات میں اور سمجھ شاید کے گھر گئے گھر میں بالکل سناٹا تھا۔ ہم سمجھے کہ شاید وہ سو رہا ہے، لیکن اس کی حماقت پر بھی غصہ آیا کہ اس طرح گھر کھلا چھوڑ کر سونے کا کیا مطلب، لیکن اف میرے خدا جب ہم اس کے سونے کے کمرے میں پہنچے تو ہم نے وہاں اس کی لاش دیکھی۔

اسی شام کو ہم نے اُسے اچھا بھلا دیکھا تھا اور پھر ہمارے لئے سب سے زیادہ تعجب خیز بات یہ تھی کہ ہم نے اُسے شام کو جس سوٹ میں دیکھا تھا وہی اس وقت بھی اُس کے جسم پر موجود تھا۔ اس نے جو تہ بھی نہیں اتارے تھے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں، ہم دونوں کا یہی خیال تھا کہ وہ قدرتی موت نہیں ہے، پھر دفعتاً ایک نیا خیال پیدا ہوا۔ کہیں یہ انہیں لوگوں کی شرارت تو نہیں ہے جو ایک نقلی ولی عہد کو لئے پھرتے ہیں، ہم عرصے سے یہ بات محسوس کر رہے تھے کہ شاید وہ یہ جان گئے ہیں کہ ہم اس راز سے واقف ہیں، لہذا وہ ہمیں اپنے راستے سے ہٹا دینے کی کوشش کرنے لگے ہیں، ایسی صورت میں ہمیں اپنے لئے یہی مناسب معلوم ہوا کہ ہم خود کو چھپانے کی کوشش کریں۔“ ساجد خاموش ہو گیا۔

”آپ کو فوراً پولیس کو اطلاع دینی چاہئے تھی۔“ فریدی بولا۔

”مگر دشواری تو یہ تھی کہ ہم ان کے ٹھکانے سے ناواقف تھے۔“

”اوہ..... ٹھکانہ دریافت کرنا ہمارا کام ہوتا..... خیر.....!“

”بہر حال ہم نے فیصلہ کیا کہ ہم اس لاش کو کسی طرح آپ کے پھانک تک پہنچا کر روپوش ہو جائیں۔ ہاں میں یہ بتانا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ میں یہ تو چاہتا تھا کہ کسی طرح مجرموں کو سزا ملے لیکن خود اس معاملے میں پڑ کر اپنے رنکلیں اوقات کا خون نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جو رقیہ کے ساتھ بسر ہو رہے تھے۔ یہ تجویز میری ہی تھی کہ لاش کو آپ کے مکان کے سامنے ڈال دیا جائے۔ سمجھنے میں اس کی مخالفت نہ کی۔ شاید میری ہی طرح وہ بھی ان الجھنوں سے بچنا چاہتا تھا۔ مگر کیوں یہ مجھے معلوم نہیں، دوسری وجہ سامنے نہ آنے کی یہ بھی تھی کہ ہم اس طرح خود کو چھپا کر ان لوگوں کی دستبرد سے بھی محفوظ رہ سکتے تھے۔

بہر حال اس وقت یہی تدبیر سمجھ میں آئی۔ لیکن مجھے اس کا احساس ہو رہا ہے کہ ایسا کرنا انتہائی حماقت تھی۔ اس طرح نہ صرف ہم غیر محفوظ ہو گئے تھے بلکہ قانون کی نظروں میں بھی ایک بھاری جرم کیا تھا۔“

”اس میں کوئی شک نہیں۔“ فریدی بولا۔

”اس حادثے کے بعد ہم نے پھر اپنے مکانات تبدیل کر دیئے۔ رقیہ سے برابر ملاقاتیں ہوتی رہیں، لیکن سمجھ کو اس کی اطلاع نہ ہونے پائی اور پھر ایک دن وہ بھی آیا کہ مجھے سمجھ کی لاش بھی دیکھنی پڑی اور میں نے اُسے بھی کسی نہ کسی طرح آپ کے پھانک تک پہنچا دیا۔ اب رہا سہا شک بھی جاتا رہا۔ میری جگہ اگر کوئی آدمی ہوتا تو کبھی کا اس شہر کو چھوڑ چکا ہوتا۔ مگر رقیہ کی محبت نے ایک تیز و تند شراب کی طرح میرے دماغ کو ماؤف کر دیا تھا۔ اب مجھے اس کا بھی خوف نہ رہ گیا تھا کہ میری اور رقیہ کی محبت کا راز میرے کسی دوست کو معلوم ہو سکے گا۔ لہذا اب میں اسے انتہائی بے تکلفی کے ساتھ اپنے گھر بلانے لگا تھا۔ اکثر وہ رات رات بھر میرے ساتھ رہ جایا کرتی تھی اور اس کا جواز وہ اس طرح پیش کرتی کہ اس کا چچا نصیر ایک فلاسفر قسم کا آزاد خیال آدمی ہے..... وہ اس کی آزادانہ روش پر اسے کچھ نہ کہتا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ وہ کسی دن مجھے اپنے چچا سے ملائے گی۔

ایک شام اس نے مجھے میٹرو میں اپنی رقامہ کا ناچ دیکھنے کی دعوت دی اور یہ بھی کہا کہ وہ

مجھے اپنے بچاے ملائے گی۔

”غالباً اس نے آپ کو اس کے لئے خط بھی لکھا تھا۔“

”جی ہاں.....!“

”اس خط میں کوئی اور خاص بات بھی تحریر تھی۔“

”میرے خیال سے کوئی قابل ذکر بات نہیں تھی۔“

”اور وہ تصویر.....!“

ساجد سوچنے لگا۔

”ہاں اس نے مجھے اپنی ایک تصویر دی تھی۔ اس نے اس خط میں اسی تصویر کے متعلق بھی لکھا تھا کہ میں اسے اپنے ساتھ لیتا آؤں۔ میں وہاں گیا۔ اس کا بچا مجھے اپنے ساتھ کرنے میں لے گیا اور شراب پیش کی۔ میں اس کی دعوت کو رد نہ کر سکا اور..... اور پھر مجھے کچھ بھی معلوم نہیں۔ بقیہ حالات میں نے ڈاکٹر صاحب کی زبانی سنے ہیں۔“

ساجد خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر بولا۔

”سمجھ میں نہیں آتا کہ رقیہ نے دیدہ و دانستہ مجھے اس عذاب میں مبتلا کرنا چاہا یا محض

اتفاق تھا۔“

”جی نہیں..... یہ ایک بہت ہی سوچا سمجھا ہوا پلاٹ تھا۔ اس طرح مجرم آپ تینوں سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے تھے۔“

”تو کیا آپ نے انہیں گرفتار کر لیا؟“ ساجد بول پڑا۔ ”غالباً انہیں کے ساتھ رقیہ بھی ہو گی۔“

”اُسے آپ بھول جائیے۔“ فریدی بولا۔ ”انہوں نے اس کا بھی خاتمہ کر دیا اور خود کسی طرف فرار ہو گئے اور اب یہ معاملہ سمجھ میں آیا کہ وہ سب لوگ یہاں کیوں رکے ہوئے تھے، غالباً وہ اپنی تشفی کر لیتا چاہتے تھے کہ آپ زندہ ہیں یا مر گئے۔“

”اوہ.....!“

”کیا آپ اس بات کا کوئی ثبوت عدالت میں پیش کر سکیں گے کہ اصلی سنگرام سنگھ سرچکا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”جی ہاں..... جرمنی سے اس کی موت کا سرٹیفکیٹ منگو لیا جاسکتا ہے، جہاں سے وہ مل سکے۔“

گادہاں کا پتہ مجھے معلوم ہے۔“

”بہت خوب.....!“ فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”اب آپ آرام کیجئے۔“

پھر وہ ڈاکٹر شوکت کی طرف مڑ کر بولا۔ ”یہاں ان کی موجودگی کا حال کسی کو نہ معلوم

ہوئے پائے۔“

”تمہاری ہی ہدایت کے مطابق یہ بات میں نے نوکروں تک سے چھپائی ہے ان کا کام میں اور خود نجمہ کرتی ہیں۔“ شوکت نے کہا۔

”ڈاکٹر صاحب میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہ بھولوں گا۔“ ساجد نے گلوگیر آواز میں کہا۔
اس کے بعد فریدی اور حمید شہر واپس آ گئے۔

انجام

تین دن بعد فریدی حمید اور چیف انسپکٹر محکمہ سراغ رسانی کے دفتر میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

”واقعی آپ کا یہ کیس بھی جرائم کی تفتیش کی تاریخ میں یادگار رہے گا۔“

چیف انسپکٹر نے کہا۔

”مگر افسوس اس کا ہے کہ وہ کم بخت جابر ہاتھ سے نکل گیا۔ خیر دیکھا جائے گا۔ میں نے اپنا

جال چاروں طرف بچھادیا ہے۔ امید تو ہے کہ جلد ہی اس سے پھر دو دہاتھ کرنے پڑیں گے۔“

”بہر حال خود ان موتوں کا راز معلوم کرنا اپنی جگہ پر ایک ناممکن امر تھا۔ ہاں تم نے یہ

نہیں بتایا کہ ان کے فرار ہو جانے کے بعد تم نے ان کا صحیح پتہ کیسے معلوم کیا۔“

”ساجد سے گفتگو کرنے کے بعد میں اس فیصلے پر پہنچ گیا تھا کہ وہ لوگ رنجیت نگر ہی گئے

ہیں۔ غالباً انہیں ساجد کی موت یا اس کے دماغ کی خرابی کا اچھی طرح یقین ہو گیا تھا اور شاید وہ یہاں اسی لئے رکے بھی ہوئے تھے کہ ان تینوں کو راستے سے ہٹانے کے بعد اپنا نقلی راج کمار

ریاست میں پہنچا کر مزے اڑائیں گے۔

”ایسی صورت میں انہیں گرفتار کرنے میں بڑی دشواری ہوئی ہوگی۔“ چیف انسپکٹر نے کہا۔

”کوئی ایسی خاص بات نہیں ہوئی۔ کیونکہ انہوں نے ابھی تک راج کمار صاحب کو محل میں

نہیں پہنایا تھا۔ غالباً وہ اس کی تیاری میں مصروف تھے اور تو اور ریاست کے دو آفیسر بھی اس

سازش میں شریک تھے۔ دراصل مجھ سے غلطی ہوئی میرا خیال تھا کہ جس جگہ یہ لوگ ٹھہرے

ہوئے ہیں وہیں جابر بھی ہوگا، ورنہ میں انہیں گرفتار کرنے میں جلدی نہ کرتا۔ بہر حال اس جلد

مازی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جابر ہاتھ سے نکل گیا اور ہاں ان لوگوں نے نقلی راج کمار کو فوراً ہی محل میں

اس لئے نہیں پہنچا تھا کہ وہ اسے انہیں دونوں مکار آفیسروں کے ذریعہ آداب شاعی کی تعلیم دلا

رہے تھے کہ نقلی اور اصلی میں کوئی فرق نہ رہ جائے۔“

”ہاں تو یہ بتاؤ کہ انہیں تمہاری اسکیم کا کیسے علم ہو گیا تھا۔“ چیف انسپکٹر نے پوچھا۔

”دراصل شکران کی قید میں تھا اور میں اس سے لاعلم تھا۔ اس سے قبل میں یہ ظاہر کرنے

کی کوشش کرتا رہا تھا کہ شکر ہی اصل مجرم ہے۔ اس پر وہ لوگ مطمئن تھے، لیکن جب میں نے

رقہ کے سامنے ایک زخمی کاسوائگ رحما تو سارا بھانڈا پھوٹ گیا۔ وہ خود بھی شکر کی گرفتاری سے

واقف تھی۔ اس نے نصیر سے میرے زخمی ہونے کا حال بتا دیا اور پھر ان لوگوں کو شبہ ہو گیا کہ ہم

انہیں ادھوک دینے کا کوشش کر رہے ہیں۔ اس پر انہوں نے ہمارے پیچھے آدمی لگا دیئے۔ میں اس

وقت سے کہیں باہر نہیں نکلتا۔ غالباً کوئی شخص حمد کے پیچھے اس وقت سے لگا ہوا تھا جب وہ

کہ تو اے سارا، لے جا رہا تھا میرا سونے کا سونگہ، مجھے زخمی کا سونگہ رہا کہ غلطی کی تھی،

..... خیر..... بارزندہ صحت باقی..... نقلی راج کمار

وہ کہتا ہے کہ ”جابرؓ کی سہیلی سرسار ہو گیا ہو گا۔“

تمام شد